خیالات زیادہ تر محرومی کے دُھندلکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا عشق اکثر ناکام رہا۔ وہ فراق کے جلتے بُھنتے مضمون بہت گرم نکالتے ہیں لیکن وصل میں آن کر بالکل ہی پھیکے پڑ جاتے ہیں ٭ نظیر ہجر میں ایک بیتاب عاشق ہے۔ رات اُس کو پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دن اُس کو کاٹے کھاتا ہے۔ تصورات اُس کو ستاتے ہیں۔ آنکھ کھولے ہوئے ہے جب بھی معشوق سامنے ہے آنکھیں بند ہیں جب بھی معشوق سامنے ہے۔ کبھی خواب کا طلسم کھڑا کرتا ہے۔ معشوق سے اُس میں مُلاقات ہوتی ہے۔ ذوق شوق کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ پھر آنکھ کُھل کر سارا طلسم ٹُوٹ پُھوٹ جاتا ہے۔ پھر وہی انتظار کی زحمتیں ہیں۔ وہی وعدہ خلافیوں کے صدمے۔ وہی شوق کی فراوانی۔ وہی نام و ننگ سے قطعِ نظر۔ وہی ناصحوں سے نفرت وہی رُقَبا سے عداوت۔ وہی یاس کی دل آزاری۔ وہی مرگ کی تمنّا وہی گریہ کی طُغیانی۔ وہی جنوں کی جیب دری۔ وہی آبلہ پائی۔ وہی داغوں کی افراط۔ وہی ہوا سے باتیں۔ وہی در و دیوار سے گفت گو

جب نظیر وصل کے شبستان میں شمعِ عیش روشن کرتا ہے وہ ہجر کی تاریکی بالکل رفع ہو جاتی ہے۔ اُس کے کُل زخم بھر جاتے ہیں۔ وہ جن آنکھوں سے رو رہا تھا اب اُن میں تبسّم کے اثر سے ایک خاص مسرت آمیز شگفتگی پیدا ہو گئی ہے۔ لختِ دل جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہ گئے تھے اب پھر سمٹ آئے ہیں اور سینے میں پھر ایک بھلا چنگا دل بڑا خوشیوں کی اُمنگ پیدا کر رہا ہے۔ آبلوں میں جو کانٹے چُبھے تھے اُنھی کانٹوں نے سوئیاں بن کر اُن کے پھٹے ہوئے جیب و دامن کو رفو کر دیا ہے۔ دل کے داغ اب داغ نہیں ہیں ہرے بھرے باغ ہیں۔ مرگ کی تمنّا کے عوض زندگانی جاودانی کے تصور بندھ رہے ہیں۔ معشوق جو نظر آتا ہے اور کوٹھری تصور کا جلوہ دکھاتی ہے۔ اگر پاس میں کوئی خانہ باغ ہے تو بلا تشبیہ روضۂ رضواں ہے۔ رات پہاڑ

٭ چنانچہ یہ شعر میر کے شاہد حال ہیں۔ یاں روئے، یاں رلایا، اپنی تو یوں ہی گزری ٭ کیا ذکر ہم صفیرو، یارانِ شادمان کا ٭ قید قفس میں ہیں تو خدمت ہے نالگی کی ٭ گلشن میں تھے تو ہم کو منصب تھا روضہ خوان کا ٭

تھی مگر وصل نے ایک چھوٹے سے میں پربت سے رائی کر دیا- ادھر آئی اُدھر گئی- مرغ سحر کی آواز دل میں چٹکیاں لیتی ہی- اور موذن کی بانگ بے ہنگام بے چین کرتی ہی- بزمِ عیش کی تصویریں نظیر نے نہایت شوخ رنگ سے کھینچی ہیں- یہ رنگ اُس کی طبیعت میں اُس کی عام کامیابی نے بھر دیا تھا- میر صاحب کے ہاں یہ رنگ بہت ہی پھیکا ہی- وہ اپنی مایوسی اور افسردہ دلی سے بشکل اُبھرتے ہیں- وہ ہنستے ہیں تو ٹھیک اُسی طرح جیسے کوئی ماتم زدہ صفِ ماتم پر ہنسے- اُن کی ہنسی میں آورد ہی اور نظیر کی ہنسی میں آمد- اُن کی ہنسی جاڑے کی صبح ہی- اور نظیر کی ہنسی صبح بہار- ایک طرف تمام کہرا چھایا ہوا ہی اور ایک طرف پڑا نور برس رہا ہی-

مجھ کو ابتدا میں ایسا خیال تھا کہ نظیر نے شاید غزلیں کُل اُس عُمر میں لکھی ہیں جب کہ اُس کا شباب تھا اور دل میں عشق و عاشقی کی اُمنگ بھر رہی تھی- مگر جب غور سے اُس کی غزلوں کو دیکھا تو یہ خیال بدل گیا اس لیے کہ بعض غزلوں میں اس قسم کی پختہ مشقی نظر آئی کہ اُن کو جوانی کی طرف منسوب کرنا چنداں قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا- ہاں اتنی بات ضرور ہی کہ عاشقانہ غزلوں کے کہنے کی اُمنگ جوانی نے پیدا کی اُس زمانے سے مشق برابر جاری رہی- پکی عُمر میں پہنچ کر جب اُس کے خیالات پر صوفیانہ مضامین کا ہجوم ہونے لگا اور نصائح کے خیالات اُبلنے لگے- اُس وقت غزلیں ایک مُہمل چیز معلوم دیں- لیکن مشق اتنے زمانے کی بے کار ہاتھ سے نہیں دی جا سکتی تھی اور اُن دنوں کے کُچھ خیالات بھی یہ تھے کہ تا وقتے کہ انسان متغزل نہ ہو شاعر ہی نہیں- پھر مختلف مقامات میں طرحیں ہوتیں- لوگ اُن طرحوں کو لا کر سناتے اور اُس طرح میں اَور لوگوں کی غزلوں کی تعریفیں کرتے تو خواہ مخواہ دل میں تحریک پیدا ہوتی- غرض اس طور پر کبھی کبھی غزل کی طرف بھی توجہ کرتا- مسدس اور مخمس اور غزلوں میں آسمان زمین کا فرق ہی- خصوصاً اس کے مخمس مسدس- مگر جب غزل گوئی پر جھکتا ہی تو شربت کے گھونٹ کانوں کے رستے اُتار دیتا ہی-

نظیر کے کلام میں شروع شروع عبرت کا رنگ ظاہر ہوتا ہے اور کبیر کے سے خیالات آہستہ آہستہ پیدا ہوتے ہیں:-

تنِ مُردہ کو کیا تکلف سے رکھنا — گیا وہ تو جس سے مزیّن یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا — مُشیّن بدن تھا مُعطّر کفن تھا
جو قبرِ کہن اُن کی اُکھڑی، تو دیکھا — نہ عضوِ بدن تھا، نہ تارِ کفن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی — جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

نظیر کے خیالات پر بہت ہی ابتدا میں تصوّف کا رنگ چڑھتا ہے، اور غالباً یہ رنگ عشقِ مجازی کے آئینے سے جھلکتا ہے:-

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا — یا ربّ تری قُدرت میں ہے ہر آن تماشا
لے عرش سے تا فرش نئے رنگ، نئے ڈھنگ — ہر شکل عجائب ہے، ہر اک شان تماشا
افلاک پہ تاروں کے جھمکتے ہیں طلسمات — اور روئے زمیں پہ گُل و ریحان تماشا
جنّات، پری، دیو، ملک، حُور بھی نادر — انسان ہیں اُعجُوبہ تو حیوان تماشا
جب حسن کے جاتی ہے مرقّع پہ نظر، آہ! — کیا کیا نظر آتا ہے ہر اک آن تماشا!
چوٹی کی گُندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں — رکھتی ہے کہیں زُلفِ پریشان تماشا
مُنھ زرد، بدن خشک، جگر چاک الم ناک — غُل، شور، تپش، نالۂ و افغان تماشا
گر عشق کے کوچے میں گزر کیجے تو واں بھی — ہر وقت نئی سیر ہے، ہر آن تماشا
ہم پست نگاہوں کی نظر میں تو نظیر آہ! — سب ارض و سما کے ہیں گُلستان تماشا

نظیر نے ایک غزل میں معشوق کا سراپا لکھا ہے جس سے اُس کی مصورانہ قدرت کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہے:-

رُخ پری، چشم پری، زلف پری، آن پری | کیوں نہ اب نامِ خدا ہو ترے قربان پری
جھمکے جھمکے وہ ثریا کے، کرن پھول وہ پھول | بندے بالے پری، موتی پری، اور کان پری
رشکِ خورشید جبیں، ابر سیہ سی تس پہ | لہر چوٹی کی غضب، زلفِ پریشان پری
حسن گلزار، قمر شکل، صراحی گردن | مہ جبیں، سیبِ ذقن، چاہِ زنخدان پری
بارِ غمزے کی بلا، تیر نگہ، دشنۂ[۱] سناں | تیغ ابرو کی ستم، ترکشِ مژگان پری
مسکرانے کی ادا جیسے چمک بجلی کی | آن ہنسنے کی قیامت، لب و دندان پری
آنکھ مستی کی بھری، شوخ نگاہیں چنچل | تہ کاجل کی کھچاوٹ، مسی و پان پری
بینی اور نتھ کا وہ عالم کہ چھدے دل جس سے | حور چُٹکی کی جھلک، گوہرِ غلطان پری
دھکدھکی چاند سی، جگنو بھی ستاروں کی مثال | عطرداں طرفہ، وہ توڑے بھی درخشان پری
چاک سینے کا غضب، صاف بدن موتی سا | انگیا تصویر سی، کرتی کا گریبان پری
پشتِ گل برگ، شکم سیم، کمر تارِ نگاہ | ساق بلور، گلاوٹ میں ہر اک ران پری
گھیر اشواز کا وہ جس کی کناری قرباں | چال آفت کی نشاں، جنبشِ دامان پری
کیا کہوں اُس کے سراپا کی میں تعریف نظیر | قد پری، دھج پری، عالم پری اور شان پری

[۱] دشنہ کہتے تو ہیں نگاہ کو مگر چوں کہ نگاہ کا لفظ اوپر آچکا ہے قیاس چاہتا ہے کہ شاعر نے کوئی اور معنی ذہن میں رکھے ہوں گے۔ بعض خاص ترکیبیں دیکھنے کی ہوتی ہیں جن کو نگاہ تو نہیں کہہ سکتے مگر وہ نگاہ سے الگ بھی نہیں جیسے مستی، خمار، خواب آلودگی، حیرانی۔ غالباً انھیں حسن افزا اور دل فریب کیفیتوں کو دشنہ سے تعبیر کیا ہے

ایک خاص طرز نظیر کی یہ ہی کہ وہ اکثر مشکل طرحیں کرتا ہی اور اُن میں بڑی سلاست سے مضامین نکالتا ہی طرحوں کی وقت کہتی ہی کہ اُس کو تشبیہات اور استعارات پیچ در پیچ کے پیچ زمینِ شعر میں چپت ہی کر کے رہیں گے لیکن وہ اس اکھاڑے سے بھی سلاست کے خم ٹھونکتا ہوا نکل آتا ہی۔ مرزا نوازش علی نے ایک خط میں جہاں ان کے دیوان کا ذکر کر کے مجھے مشتاق کیا۔ یہ بھی لکھا کہ "دشواری قوافی وغیرہ کو ملاحظہ فرما کر آپ محظوظ ہوں گے۔ ایک غزل کا اُن کے مطلع لکھتا ہوں جس کے ۲۳ شعر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے آستین کا ثبوت کیسے سخت قوافی میں منظوم کیا ہی:-

جب کہ اُلٹی ہم نے تکرارِ نظر پر آستیں	کھینچ لی اُس نے رُخِ رشکِ قمر پر آستیں"

چند مشکل طرحیں تذکرہ باطن اور کلیات سے منتخب کر کے ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔ طرح کی اس مشکل پسندی کو شاہ نصیر دہلوی کی طرز سے کسی قدر تشبیہ دی جاسکتی ہی۔

ہوا جو اُس کا وہ کوچہ چمن سرشت نصیب	خدا نے ہم کو اسی جا کیا بہشت نصیب
ساغر کے لب سے پوچھیے اس لب کی لذتیں	کس واسطے کہ خوب سمجھتا ہی لب کی لب
ہی جو اُس محبوب کی انگشتری در دستِ چپ	رکھتی ہی کیا کیا نزاکت پروری در دستِ چپ
کل تو دہنے ہاتھ میں تسبیح رکھتا تھا، نظیر	اور مصلے کی عنایت گستری در دستِ چپ
آج صہبا کی گلابی اُس کے ہی در دستِ راست	اور لبِ مے کی اک پیالی بھری در دستِ چپ
تیری قدرت کی قدرت کون پا سکتا ہی کیا قدرت	تری آگے کوئی قادر کہا سکتا ہی، کیا قدرت

لہ۔ باطن نے تذکرے میں اسی غزل کا یہ شعر لکھا ہی:-

اُس پری رو کے دوانے کی یہ ہی شکلِ لباس + تارِ دامن خار پر شاخِ شجر پر آستیں

رکھی ہرگز نہ ترے رخ نے بدر کی قدر
کھوئی کاکل نے بھی آخر کو شب قدر کی قدر

عزت و قدر کی اس گل سے توقع ہے عبث
واں نہ عزت کی کچھ عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر

راستی خوار ہے اس چشمِ فسوں پرور سے
ہاں، مگر منزلتِ مکر ہے اور غدر کی قدر

مے پرستوں میں ہے یوں ساغر و مینا کا وقار
جیسے اسلام میں ہو محتسب و صدر کی قدر

کفش برداری سے اس مہر کی چمکا ہے نظیر
ورنہ کیا خاک تھی اس ذرۂ بے قدر کی قدر

تیری بھی منہ کی روشنی رات گئی تھی سحر سے مل
تاب سے تاب، رخ سے رخ، نور سے نور، ظل سے ظل

یوسفِ مصر سے مگر ملتے ہیں سب ترے نشاں
زلف سے لف، لب سے لب، چشم سے چشم، تل سے تل

جتنے ہیں کشتگانِ عشق ان کے ازل سے ہیں ملے
اشک سے اشک، نم سے نم، خون سے خوں، گل سے گل

جب سے موا ہے کوہکن کرتے ہیں اس کا غم سدا
کوہ سے کوہ، جو سے جو، سنگ سے سنگ، سل سے سل

یار ملا جب اے نظیر، میرے گلے تو مل گئے
جسم سے جسم، جان سے جان، روح سے روح، دل سے دل

ہوں تیرے تصور میں مری جان، ہمہ تن چشم
دل ہے مرا جوں آئینہ حیراں ہمہ تن چشم

مت تختۂ نرگس سمجھ، اے گلبدن اس کو
ہے عشق میں تیرے یہ گلستاں ہمہ تن چشم

اس آئنہ رو کے ہے تصور میں نظیر اب
حیرت زدہ نظارہ، پریشاں ہمہ تن چشم

خط کی رخسار و تن اس گل کے جو تحریریں ہیں دو
ہے یہ وہ مصحف کہ جس کے ساتھ تفسیریں ہیں دو

تا ابد آزاد ہیں دام و قفس کے جور سے
بلبلِ تصویر و طاؤسِ خیالِ آئینہ

ہستیاں نیستیاں یاں بھی ہیں ایسی، جیسے
وہ کمر اور دہاں کچھ نہیں، اور سب کچھ ہے

بے زری، فاقہ کشی، مفلسی، بے اسبابی
ہم فقیروں کے بھی ہاں کچھ نہیں اور سب کچھ ہے

پھنکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں، یارب
ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے؟

بقا ہماری جو پوچھو تو جوں چراغِ مزار
ہوا کے بیچ کوئی دم رہے، رہے، نہ رہے

ملو جو ہم سے تو مل لو کہ ہم بہ نوکِ گیاہ
مثالِ قطرۂ شبنم رہے، رہے، نہ رہے

ایک غزل اُس نے صوفیانہ ڈھنگ میں کہی ہے۔ عبرت کی گہری نظر اور عبارت کی روانی و سلاست قابلِ توجہ ہے:۔

جو تو کہتا ہے، اے غافل! "یہ میرا ہے یہ تیرا ہے"
یہ جس کا ہے اُسی کا ہے، نہ تیرا ہے، نہ میرا ہے

تو اول سوچ تو دل میں کہ تو ہے کون اور کیا ہے؟
نمازی ہے، شرابی ہے، اُچکا ہے، لٹیرا ہے؟

فرشتہ ہے، پری ہے، دیو ہے، یا آدمی، جن ہے؟
بلا ہے، بھوت ہے، یا مُن ہے؟ — مُزورا یا کمیرا ہے؟

تری کیا ذات ہے، کیا نام ہے، کیا کام کرتا ہے؟
مسافر بے وطن ہے، یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے؟

جب ان چیزوں سے تو اپنے تئیں کچھ چیز ٹھہراوے
تو اس کے بعد پھر کہیو: "یہ میرا ہے، یہ تیرا ہے"

یہ چیزیں تو غرض کیا ہیں، تو اپنا ہی نہیں مالک
تجھے، او بے خبر ناداں، یہ کس غفلت نے گھیرا ہے؟

تو کچے سوت کا دھاگا عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط ہے اور قصورِ فہم تیرا ہے

تو کیا جانے کہ تجھ کو کس نے کس چرخے میں کاتا ہے
تو کیا جانے کہ تجھ کو کس ایٹرن میں ایٹرا ہے

تماشا ہے، مزا ہے، سیر ہے، کیا کیا، اہاہاہا!
مصور نے عجب کچھ رنگ قدرت کا بکھیرا ہے!

ترقی میں تنزل ہے، تنزل میں ترقی ہے
اندھیرے میں اُجالا ہے، اُجالے میں اندھیرا ہے

طلسماتِ حقیقی ہے، یہ کچھ سمجھا نہیں جاتا
یہی چاند اور یہی سورج، یہی شام اور سویرا ہے

اس طرح میں آصف کی بھی غزل ہے۔

نظیر: اللہ اللہ! اس جہاں میں دم غنیمت ہے	کہاں ہم اور کہاں پھر تم کوئی دم کا بسیرا ہے[1]

یہ خیالات نظیر کے کبیر کے خیالات سے کس قدر مشابہ ہیں جہاں وہ کہتا ہے!

بھو نزار سے ہم پر دیسی لوگ۔ آج کے بچھڑے کد جا ملیں گے رہے ندیا ناؤ سنجوگ۔

اب کچھ اَور اشعار اُس کے تفریحِ طبعِ ناظرین کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

از تذکرہ باطن:۔

دیکھ سبزوں کی طراوت کو زمیں پڑھتی ہے	دم بدم "انبتہا اللہ بنا تا حسنا"
چمن طرازِ حقیقی نے اپنی صنعت سے	کسی کو پھول بنایا، کسی کو گھاس کیا
آغوش تصور* میں جب ہم نے اُسے مسکا	لبہائے نزاکت سے اِک شور تھا بس بس کا
بدن گُل، چہرہ گُل، رُخسار گُل، لب گُل، دہن ہے گُل	سراپا اب تو وہ رشکِ چمن ہے ڈھیر پھولوں کا
اُدھر اُس کی نگہ کا ناز سے آکر پلٹ جانا	اِدھر مرنا تڑپنا، غش میں آنا، دم اُلٹ جانا
یہ کچھ بہروپ بن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی	بکھرنا، سبز ہونا، لہلہانا، پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی، یہ یکرنگی، تس اُوپر یہ قیامت ہے	نہ کم ہونا نہ بڑھنا، اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا
دل ہوا جس دن سے بسمل ابروے دل خواہ کا	تھا وہی پہلا دن اُس بسمل کی بسم اللہ کا

[1] ماخوذ از بوستانِ معرفت مؤلفۂ بابو مادھو داس مطبوعۂ مطبع منشی نول کشور۔ یہ نظم حقیقت میں کبیر کے اِس مشہور دوہے کی شرح ہے:۔ کنکر چُن چُن محل بنایا لوگ کہیں گھر میرا + نا گھر میرا نا گھر تیرا چِڑیا رین بسیرا ÷ یہ دوہا بھی ایک گیت کے ساتھ گایا جاتا ہے جو اِس طرح شروع ہوتا ہے۔ اُڑ جا پکھیرو دوں تو رہ گیو تھوڑا ÷

* امانت نے اپنے واسوخت کے اس شعر کا مضمون یہیں سے لیا ہے جو بطور ٹیپ کے بندِ وصل میں یوں واقع ہوا ہے۔ ہاں گرہ کھل گئی دل کی اُدھر انگیا مسکی + لب نازک سے صدا آنے لگی بس بس کی +

نہ گل* اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا — بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا

نہ آئی بو جو ذرا تیرے مصحفِ رخ کی — نسیم پھاڑ گئی آکے ہر ورق گل کا

تو وہ** ہی نورِ سراپا کہ تیری صورت کو — بشر تو کیا ہے مری جاں ملک نہ دیکھ سکا

گلی کی خاک بھی ہو کر نہ ٹھہرنے پائے — ہمیں تو آہ فلک یاں تلک نہ دیکھ سکا

یہ ناتواں ہوں کہ آیا جو یار ملنے کو — تو صورت اُس کی اُٹھا کر پلک نہ دیکھ سکا

گھڑی تو دل کو پرویا، گھڑی جگر چھیدا — کبھی خوشی نہ مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ سکا

آب تو ذرا سا گا تو ہی بیٹی نہ دے اسے — لگتا تھا ورنہ جبین کا داما دا گرا

بتوں کی ناز برداری میں بھی تیری عبادت کی — مری اس بندگی کا اب تو ہی شاہد ہے معبودا

عزیزو، کیا پڑے سوتے ہو غفلت میں ذرا جاگو — جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

ایک نظر گر تجھے دیکھیں تو شادی سے بہم — نہ کو لگیں چار چاند، مہر کو چار آفتاب

فرصتِ عمر قطرۂ شبنم — وصل محبوب گوہر نایاب

بقولِ حضرتِ صائب ہزار حیف نظیر — کہ در بہار ندارم بکف بہائے شراب

قسمت میں گر ہماری یہ مے ہے تو ساقیا — بے اختیار آپ سے شیشہ کرے گا جست

کچھ ہم کو امتیاز نہیں صاف و درد کی — ای ساقیانِ بزم بیارید ہرچہ ہست

کیا کیا مگسِ عقل کے باندھے ہیں پر و بال — کرکے شکر خندہ ہم لب شکرِ چند

* اس طرح میں علی گوہر کی غزل بھی ہے مطلع یہ ہے کہو بلبل سے لے جاؤ چمن سے آشیاں اپنا: پڑے گر صد ہزار افسوں، نہ ہو گا باغباں اپنا۔

** اس طرح میں سودا کی غزل بھی ہے۔

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا
پڑی ہی خاک گورستاں میں کیا کیا قدِ موزوں کی
وہ رکھے اینٹ چھاتی پر بزیرِ خاک سوتے ہیں
واماندگانِ راہ تو منزل پہ جا پڑے
وہ عارض اور جبینِ تاباں کہ ہوں دیکھ اُس کو شرمندہ
کفوں ہیں انگلیوں میں لعلِ لب میں چشم گردوں کی
دیکھے نہ مجھے کیوں کر از چشمِ حقارت او
چپ بیٹھوں تو کہتا ہی ''خاموش چرا ہستی
کس طرح سنبل ہوا اُن لقوں سے آکر سربسر؟
چمن میں جب سے لبِ اُس غنچہ لب نے کھولے ہیں
مہ ہی اگر جو سے شیر تم بھی زری پوش بن
گو آتشِ گل بھڑکی ہی پر یہ نہیں توفیق
تری وہ شان کی رفعت ہی، یا رسول اللہ
مصحفِ رخ پہ ترے ابروے پیوستہ نہیں
پکارا قاصدِ شک: ''آج فوجِ غم کے ہاتھوں سے
سنو، میں خرمن کو تو ساتھ اپنے لے آیا ہوں اور باقی
مرتا ہی جو محبوب کی ٹھوکر پہ، نظیرؔ آہ!

صد شکر کہ ہی کاتبِ تقدیر کوئی اور
اُگی ہی گھاس کس کس گُل بدن کی روئے گلگوں پر
چمکتے تھے سنہرے قصر جن کے بامِ گردوں پر
اب تو بھی اے نظیرؔ، یہاں سے قدم تراش
قمر خورشید، زہرہ شمع، شعلۂ مشتری مشعل
حنا آفت، ستم فندق، مسی جادوئے فسوں کا جل
وہ بسر و جواں، یار وہن فاختہ پیرم
کچھ بولوں تو ہوتا ہی آزردہ ز تقریرم
یہ لٹک، یہ بل، یہ پیچ و تاب، یہ خوش بو کہاں؟
گلوں کے پہلو میں غنچے نہیں پھپولے ہیں
دودھ چھٹی کا اُسے یاد دلانے چلو
پھونکے جو اسیرانِ چمن کے قفسوں کو
کہ لامکاں نے کہا: ''لا الٰہ الا اللہ''
مُو قلم سے یدِ قدرت نے لکھا بسم اللہ
ہوا تاراج پہلے شہرِ جان، دل کا نگر پیچھے
چلے آتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے لختِ جگر پیچھے
پھر اُس کو کبھی اور کوئی لت نہیں لگتی

زلف ہو بر سرِ احسان تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے

مُنھ زرد آہِ سرد و لبِ خُشک و چشمِ تر
سچی جو دل لگی ہے، تو کیا کیا گواہ ہے

بیٹھے بٹھائے خلد میں ابلیس نے، نظیر
کیا دم دیا ہے حضرتِ آدم کو، دیکھیے!

تن دیکھیے جس گُل کا جاں چھوڑ کے تن نکلے
وہ سیم تن اُس تن سے کس طور نہ تن نکلے

یہ نقش ہیں چیچک کے مُنھ پر عرق آلودہ
یا حسن کی صافی سے قطرے کئی چھن نکلے؟

موسیٰ کے تئیں گو شجرِ طور کی سوجھی
پر ختمِ رسالت کو بڑی دور کی سوجھی

آدم اک دمڑی کی حقیا گو رہے عاجز سدا
ہم کو کیا کیا بیچو ان اور گڑ گڑی پہ ناز ہے

غور سے دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے، اے نظیر
باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

بالفرض اگر ہم ہوئے حوا کے شکم سے
آدم کے تئیں پوچھیے: یہ کس کا جنا ہے؟

حکمت کا اُلٹ پھیر نہیں جن کی نظر میں
وہ کہتے ہیں غافل یہ بقا ہے یہ فنا ہے

اک اُس کی دوا سمجھی نہیں جاتی، نظیر آہ!
کچھ روز ہی معجون کا نسخہ یہ بنا ہے؟

چمک ہے درد ہے کوندن پڑی ہے ہوک اُٹھتی ہے
مرے پہلو میں کیوں، یا رو یہ دل ہے یا کہ پھوڑا ہے؟

کبھو رہی چھوٹی ادا میں موٹی جفا میں لٹپی وفا میں چھوٹی
ہے اس سے کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں لٹک رہا ہے

وہ منہچی کافر سیاہ پٹی تہِ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی
پڑھی ہے جب نے کہ اُس کی پٹی وہ پٹی سے سر پٹک رہا ہے

تیرِ نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو
لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو

۵۱ اِس شعر میں بھی امانت کو توارد واقع ہوا ہے۔ دیکھو اُنکا بند آنکھ کی تعریف میں۔

۵۲ یہ طرح جرأت کی نکالی ہوئی ہے چنانچہ اُن کا مصرع انشا کے لطیفے کے ساتھ مشہور ہے۔ اُس لت پہ پھبتی شبِ دیجور کی سوجھی۔ آگے آنکھ کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

از کلیات:-

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کرگئی ہی اُس کی مژگاں کی جھپک بے کل ہمیں

دل خمِ ابرو کو دیتے ہیں تو کس کس پیچ سے
یہ برقِ ابر ۵۱ دیکھے سے یاد آتی ہی

میں ہنس کے اس لیے منہ چومتا ہوں غنچے کا
دیکھا جو نہانے میں وہ گورا بدن اُس کا

سرپانوں سی جب پھنس گئے اُس زلف سیہ میں
وہ مجھ کو دیکھ کچھ اِس ڈھب سے شرمسار ہوا

سبھوں کو بوسے دیئے ہنس کے، اور ہمیں گالی
قرار کر کے نہ آیا وہ سنگ دل کافر

گلے کا ہار جو اُس گلبدن کے ٹوٹ گیا
کسی سے اَور تو کچھ بس چلا نہ اُس کا نظیر

اب تو تری جفا سے یہ مانگوں ہوں میں دعا:
اور جس پہ تو فدا ہو، وہ ظالم ہو اِس قدر

کام جب آن کے پڑتا ہی زبردستوں سے
کل اگر چاہی تو ہم دم اِس گھڑی کچھ جہل ہیں

دام میں لیتا ہی اُس کا کل کا اک اک بل ہمیں
جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی

کہ کچھ نشانی ہی اِس میں ترے دہن کی سی
بلور کی چوکی پہ جھلک نور کی سوجھی

تب ہم کو سیاہی شبِ دیجور کی سوجھی
کہ میں حیا ہی پہ اُس کی فقط نثار ہوا

ہزار شکر! بھلا اِس قدر تو پیار ہوا
پڑیں قرار پہ تیچھر یہ کچھ قرار ہوا

تو ذرّ نظیر کا وہیں اُس کو ایک بار ہوا
بدان ۵۲ میرے ہی آکر گلے کا ہار ہوا

"ظالم، خدا کرے کہ کہیں تو لگا لے دل
جو مطلقاً ترا نہ وہ خاطر میں لالے دل

۵۱ اس طرح میں جرأت کی بھی غزل ہے۔

۵۲ آخرکار، بیڑا نامی دره۔

تجھ پر بھی چند روز تو یہ کش مکش رہے — دُر دُر اُدھر کرے اور اِدھر کو ستائے دل
ناچار جیسے تجھ سے چھڑاتا ہوں دل کو میں — ایسا ہی اُس سے تو بھی لگا کر چھڑائے دل

ہنسے روئے پھرے، رسوا ہوئے، جاگے، بندھے چھوٹے — غرض ہم نے بھی کیا کیا کچھ محبت کے مزے لوٹے
کلیجے میں پھپھولے، دل میں داغ، اور گُل ہیں ہاتھوں پر — کھلے ہیں دیکھیے ہم میں بھی یہ اُلفت کے گُل بوٹے
ہزاروں گالیاں دیں، پھر ذرا ہنس کر ادھر دیکھا — بھلا اتنی تسلّی سے پھپھولے دل کے کب پھوٹے
کُھلتے ہو مجھے تم میں یہ مانگوں ہوں دعا دل میں — "کوئی دل بر ملے آگے تمہیں بھی خوب سا کوٹے"
زباں کی کر کے مقراض، اور بنا دشنام کا کاغذ — ہمارے حق میں کیا کیا آپ نے کترے ہیں گُل بوٹے

دُرجِ غم میں چشم نے گوہر اُگل کر بھر دیے — اشک نے جنگل کے جنگل دم میں ڈھل کر بھر دیے
کل جو ٹک رویا کسی کو یاد کردہ گُل بدن — اشک تھے آنکھوں میں یا موتی پگھل کر بھر دیے

ساقی کو جام دینے میں اس خوش نگہ کو، آہ! — ہر دم اشارتیں ہیں کہ اس کے تئیں نہیں"

نظیر نے اپنی بعض مشہور اور مقبول غزلوں کی آپ ہی تخمیس بھی کی ہے۔ اُن غزلوں کے مطلع ذیل میں لکھے جاتے ہیں:-

ترے جمال کی سورج جھلک نہ دیکھ سکا — کھلی نقاب رہی جب تلک نہ دیکھ سکا
بھرے ہیں اس پری میں اب تو یارو سر بسر موتی — گلے میں، کان میں، نتھ میں، جدھر دیکھو اُدھر موتی
سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حسن والا — جھلک وہ مکھڑے میں اس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اجالا
پھر آن کے منت سے ملا مجھ سے وہ لالا — المنۃ للہ تقدس و تعالےٰ
در سے آج جو نکلے بتِ ذیشان گئی — لے گئے صبر گئی، دل گئی، ایمان گئی

قاصد صنم نے خط کو مرے دیکھ کیا کہا؟
پھر ہو کے خفا روٹھ گیا ہم سے وہ لالا
کبھی تو آؤ ہمارے بھی جان، کوٹھے پر
زلفیں یہ دو نہیں رخ دلبر کے آس پاس
لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے، بل نے
مانی نے جو دیکھا تری تنویر کا نقشا

حرف عتاب، یا سخن دلکشا کہا؟
اے داغ، مبارک ہو تجھے منصب والا
لیا ہے ہم نے اکیلا مکان کوٹھے پر
ابر سیہ ہے ماہ منور کے آس پاس
بنایا پان نے رنگ، اور سنبھالا سحر کاجل نے
سب بھول گیا اپنی وہ تصویر کا نقشا

یہ غزلیں جو مخمس ہوئی ہیں ان میں سے اکثر میں یہ لطف پیدا کیا ہے کہ باوجودے کہ غزل کے اشعار ایک دوسرے سے غیر متعلق ہوتے ہیں لیکن پھر بھی تخمیس کی کاریگری سے ایک دوسرے سے ان کو اس طرح ربط دیا ہے کہ بجائے خود ایک مسلسل روداد ہے جس کے پڑھنے میں آدمی کو لطف افسانہ حاصل ہوتا ہے۔

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
دیکھ اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی آہ!
مر مر، مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں یار د
قاصد، تو مرا نام تو لیجو نہ، ولیکن
لے لے کے بلائیں مجھے پھر کہتی ہیں آنکھیں:
اوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام

ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ!
"پھر قبر سے کیا اللہ نے مجنوں کو نکالا"
اب لاؤ کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا
کہنا: "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"
"صدقے ترے پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا"
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

جان کر گو نزع بیاں میں قیامت نہ مچا
اب تو ٹک منہ کو دکھا، یار، کہ نرگس بن کر
اس کے دامن سے لگوں، پانوں پڑوں ساتھ چلوں
یاں کہا کہا نہ ہنس اس دم جو تو اے دشمن جاں
بوسے کی طلب کی تو کہا نا نے سے: "چل دور!"
مجھ ضعف کے مارے کو نہ زنجیر پنہاؤ
گر بس ہو مرا تو میں کسی چو ہے سے کہ دوں:
کیا جانیئے، کس حال میں ہووے گا عزیزو
کھڑے جو ہوتے ہو تم آن آن کوٹھے پر
یہ چونے کاری میں ہوتی ہی سُرخی کب ایسی
لڑاؤ غیر سے آنکھیں، کہو ہم سے، آہ!
خُدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
تجھ میں تو یہ شمیم نہ تھی سچ کہہ اے نسیم
ہم تو کمر بندھانے کے چھلے سے پھر لیے

ابھی سوئے ہیں ترے بے سروسامان کئی
نکلے ہیں خاک چمن سے ترے حیران کئی
خاک ہوں تو بھی مرے جی میں ہیں ارمان کئی
ابھی بھر جائیں گے خوں میں لبِ دندان کئی
اور دل کو کہا "لے" تو وہیں ہنس کے کہا: "لاؤ"
کافی ہی مری قید کو اک مکڑی کا جالا
"جا، آج پلنگ اُس کے تو سونے کا اُٹھالا"
دل آج مرا، سلّمہ اللہ تعالےٰ
کروگے حُسن کی کیا تم دُکان کوٹھے پر
کسی کے خُون کا ہی یہ نشان کوٹھے پر
کہ "تھا ہمیں تو تمھارا ہی دھیان کوٹھے پر"
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر
کس کی پھری تو زلفِ مُعنبر کے آس پاس
ٹیکے کے ساتھ ساتھ ستم گر کے آس پاس

لہ سرھانے میر کے آہستہ بولو: ابھی ٹک روتے روتے سوگیا ہی؛ اس پر سودا کا اعتراض مشہور ہی کہ "شعر تو میر صاحب کا ہی مگر درخواہی اُن کی دوا کی معلوم ہوتی ہی"۔ نظیر نے اس اعتراض سے بچ کر ایک راہ نکالی ہی اور سیدھے خیال میں عاشقانہ پہلو سے سودا سے بہتر کامیاب ہوا ہی۔ سودا کے شعر سے مُقابلہ کرکے دیکھ لو۔

لگایا دام زلفوں کی شکن نے، پیچ نے، بل نے
مرا دل دیکھتے ہی اس صنم کو ہو گیا شاداں
کبھی خوش ہو کے "ہو ہو" کی کبھی بولا "اہا ہاہا!"
نہ بولا منہ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری
مجھے کر جی سے غافل، بھولی صورت کا بنا نقشہ
اب اس ظالم کے ہاتھوں سے بچاؤں کیوں کر اپنا جی؟
چلا ڈرتا جو آگے کو تو وہ پھر ہنس کے یوں بولا:
ادب سے یوں کہا: "اب تو ہوئی تقصیر یہ مجھ سے"
لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر آنکھوں کے جادو نے بنایا بادلا کیا کیا
دکھا کر مجھ کو اپنی واں زبردستی کے یہ نقشے
وہ زلفیں مشک کی سیاہ پُرخم کہ ان کے بل او شکن کو یاد کر
نگہ لڑائی ہی اس نے جس دم، جھپک لیا جھپ تو دل کو میرے
وہ ہنستے ہیں تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمکتے جا ہیں دانت اس کے
میں تو صف محشر میں بھی لوں گا تجھے پہچان

بنایا پان نے رنگ، اور سنبھالا سحر کاجل نے
نگاہیں دم بہ دم سو عیش و عشرت سے لگیں پلنے
عجب تو مزے اس وقت نظاروں کی اٹکل نے
مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے
کیا اک بار منہ غصے میں سرخ اس یار چنچل نے
اٹھا کر جھٹ قدم واں سے لگا گھر کی طرف چلنے
"اُڑا کر مفت نظارے بچا، اب تم لگے ٹلنے"
لگے قطرے پسینے کے مرے منہ سے وہیں ڈھلنے
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چنچل نے
وہیں دل لے لیا جھٹ پٹ نظیرؔ اس شوخ چنچل نے
نہ پہنچے سنبل، نہ پہنچے ریحاں، نہ پہنچے ناگن، نہ پہنچے کالا
ادا و آن نے ادھر دبوچا، پلک پلک نے ادھر اچھالا
ادھر لعل اور ادھر نیلم، ادھر مرجاں ہے ادھر موتی
کہ کچھ وہ خشک موتی، کچھ پسینے کے وہ تر موتی
کسی کے یک بہ یک جس طور جا ہیں بکھر موتی
رانجھا کو نہ بھولے گا کبھی ہیر کا لقا

کبھی بوسہ کبھی انگیا پہ ہاتھ، اور گاہ سینے پہ
لگے لوٹنے مزے کے جھگڑے اور بسیر آندھی میں

وہ چاندنی میں جو ٹک سیر کو نکلتے ہیں
تو مہ کے طشت میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

چراغِ صبح یہ کہتا ہے آفتاب کو دیکھ :
"یہ بزم تم کو مبارک ہو، ہم تو چلتے ہیں"

دولت ہی کا ملنا ہے بڑی چیز، نظیرؔ آہ!
بالفرض ہوئی اس سے ملاقات، تو پھر کیا؟

جس قدر پینا ہو پی لے ان بتوں کے ہاتھ سے
آبِ جنت تو بہت ہوگا، یہ پانی پھر کہاں؟

لذتیں جنت کے میوے کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوبوں کی کھانی پھر کہاں؟

واعظ و ناصح بکیں تو ان کے کہنے کو نہ مان
دم غنیمت ہے، میاں، یہ نوجوانی پھر کہاں؟

از تذکرۂ ابوالقاسم میر قدرت اللہ قادری :-

تو ہستی کی گرہ پہ عقل کا ناخن نہ توڑ، اے دل
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

یہ ظالم سنگ دل محبوب جادوگر ستم پیشہ
چنان بردند صبر از دل کہ ترکان خوان یغما را

جگنو پہ جان لوٹے ہے، چنپا کلی پہ دل
اور روح لوٹتی ہے مری عطر دان پہ

کہا "جو ایک لے بوسہ، میں دو لگا لینے"
تو ہنس کے کہنے لگے "چل بے، اب ایک نہ دو"

سمندِ آسماں کب آپ سے دوڑے ہے اس پے تو
کسی کی ایڑ پہ ہے ایڑ اور کوڑے پہ کوڑا ہے

از فرہنگِ آصفیہ ارمغانِ دہلی :-

کل بوسۂ پا ہم نے لیا تھا سو نہ آیا
شاید کہ وہ بوسہ ہی ہوا آبلۂ پا

آ پھنسا جو کوئی اس دامگہِ ہستی میں
تھا جو دانا تو بہت زیست سے بیزار رہا

لگی تھی آگ جگر میں بجھائی اشکوں نے
اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا

ہم لگے غیروں سے ملنے دل ہمارا چھٹ گیا
جو قدم اُلفت کا آگے تھا سو پیچھے ہٹ گیا

دن کو ہمارے پاس وہ چنچل کا ہے کو آوے گا اے دل
رات کو اک دم خواب میں آنا جس نے اِدھر کا چھوڑ دیا

جال میں نہ رکے اگر موتی کا دانا ہو گا
وہ نہ اس دام میں آئے گا جو دانا ہو گا

کہا جو ہم نے کہ آن لگیے ہمارے سینے سے اس دم اے جان
تو سن کے اُس نے حیا کی ایسی کہ آیا منھ پر ہزار پسینا

اُس نے جب آنکھیں لڑا کر ہنس دیا
ہم نے بھی نظریں ملا کر ہنس دیا

ترے مُنھ کے جو ہر دم رو برو آنے کو کہتا ہے
ذرا آئینہ لے کر مُنھ تو دیکھے آفتاب اپنا

سن کے یہ میرا عرضِ حال یار نے یوں کہا نظیر
"چل بے زیادہ اب بک بک نے تو سر پھرا دیا"

نظیر یار سے کیوں دردِ دل نہیں کہتا
سنا نہیں ہے وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ

آج اُس کی فہم میں کیا جانے کیا آیا نظیر
جو ہمارے لگ گیا چنچل گلے سے دوڑ کر

ہنس کر نظیر واں سے ٹھوکر لگا ہٹا دی
کی اُس نے یہ ہماری تصویر پر نوازش

پڑا جو ہاتھ نظیر اُس کے سینے پر میرا
تو بولی "واہ لگے آگ اِس قرینے میں"

صبح جب بعل اُٹھا مرغِ سحر گڑگڑوں گڑوں
اُٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹُڑوں ٹُوں

نظیر ہم کو بناوٹ کی ادا کا تو نہیں ہے
وہ آن غضب ہے جو خداداد کوئی ہو

پہلے ہی دیکھنے میں آنکھیں دکھائیں کیا کیا
چنچل نے ہم کو یارو دہلا دیا ابھی سے

باتیں ہمارے دل کی کہو دیں نظیر اُس نے
ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

وہ جب گھر سے نکلے سُپچکتے سُپچکتے
قدم بھی اُٹھائے جھجکتے جھجکتے

صبح کا کرتا ہی وعدہ وہ تو پھر آتا ہی کب؟	دوسرے دن کا کہیں جب تیسرا پہر آگیا ہی

محمد حسین آزاد نے ایک مقام پہ آبِ حیات میں لکھا ہی کہ "نظیر کے بعض اشعار میر سے پہلو مارتے ہیں" ضرور ہی کہ بعض کلام نظیر کا واقعی اُنھوں نے میر کے کلام سے مقابلہ کیا ہوگا۔ اور کوئی مناسبت پائی ہوگی واقعی میں نے بھی دونوں شاعروں کے کلام کا مُوازنہ کیا تو آزاد کی رائے کو صحیح پایا۔ کہیں کہیں نظیر کے کلام میں میر کی جھلک پائی جاتی ہی۔ جیسے اِس غزل میں:-

شورافگن جنوں ہی جس جانگاہ کرنا	رکھتا ہی کام ہمدم واں ضبطِ آہ کرنا
جانا بھی آگے اس کے اکثر پئے نظارہ	باعث بھی بہرِ اخفا پھر رو بہ راہ کرنا
ملنا بھی اس روش سے جس میں گمانِ اُلفت	گر کچھ بھی ہو تو وہ نہیں وو اشتباہ کرنا
کیا کیا، نظیر، تجھ میں مکروفریب ہیں جو	اس رمز آشنا سے اِس ڈھب کی چاہ کرنا

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک طرح ایسی بھی مل گئی جس میں میر اور نظیر دونوں کی غزلیں ہیں، بلکہ سودا اور انشا نے بھی اس میں طبع آزمائی کی ہی۔ ہم پہلے میر کی غزل لکھتے ہیں۔

دل پہنچا ہلاکی کو نپٹ کھینچ کسالا	لے یار مرے سلّمہ اللہ تعالیٰ
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث	برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا
معمور شرابوں سے کبابوں سے ہی سب دیر	مسجد میں ہی کیا، شیخ؟ پیالا نہ نوالا
گذرے ہی کھو واں سر ہر خار سے اب تک	جس دشت میں پھوٹا ہی مری پاؤں کا چھالا

لہ اس طرح میں نکہت کی بھی غزل ہی۔ مطلع ہی سو پیچ و خم میں ہو بہو ہر موئے اُلجھا جا ہی + مانگ کے رستے میں دل ٹھوکر پہ ٹھوکر کھا رہا ہی + عارف۔ غالب۔ ذوق۔ وغیرہ کی غزلیں ان کے بعد کی ہیں۔

گر قصد ادھر کا ہی تو ٹک دیکھ کے آنا — یہ دیر ہی زُہّاد، نہ ہو خانۂ خالا

جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش — واں چادرِ مہتاب ہی مکڑی کا ساجالا

ق دشمن نہ کدورت سے مرے سامنے ہو جو — تلوار کے لڑنے کو مرے کیجو حوالا

ناموس مجھے صافیِ طینت کی ہی، ورنہ — رُستم نے مری تیغ کا حملہ نہ سنبھالا

دیکھے ہی مجھے دیدۂ پرخشم سے وہ میر — میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا

اس زمین میں سودا کی جو غزل ہی وہ میری رائے میں میر سے بڑھی ہوئی ہی۔ سودا کے عمدہ اشعار اس غزل میں یہ ہیں:۔

میں دشمنِ جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا — سو حضرتِ دل سلّمہ اللہ تعالے

جب مست چمن سے ہو چلا گھر کو وہ لالا — غنچے نے صُراحی لی اُٹھا، گُل نے پیالا

مانگا جو میں دل کو تو کہا: "بس یہی اک دل، — جتنے ہی تو چاہے مرے کوچے سے اُٹھالا"

ای غنچہ سبب کیا ہی کہ آتے ہی چمن میں — گُل جھاڑے ہی دامن، تو نے بُقچی کو سنبھالا

اتنا ہی تو یوسف سے مشابہ، کہ عدم کے — پردے میں چھپا اُس کے تئیں تجھ کو نکالا

فتنہ ہی اُٹھاتے ہو گئی پُشتِ فلک خم — ہرگز نہ کسی گرتے کو ظالم نے سنبھالا

انشا نے عشق کو عشقِ حقیقی کی طرف کھینچ کر عارفانہ رنگ میں اپنی غزل کو چمکایا ہی۔ دو شعر اس غزل کے اچھے ہیں۔ باقی تبرک۔

اے عشق، مجھے شاہدِ اصلی کو دکھالا — قُم، خُذ بیدی، وفقک اللہ تعالے

اتنا تو پھرا وادیِ وحشت میں، کہ میرے — ہی پاے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا

اب سب سے اخیر میں نظیر کی غزل لکھی جاتی ہے۔ میری رائے میں میر۔ سودا۔ انشا سب سے اس کی غزل بڑھی ہوئی ہے۔ زبان میں سادگی ہے اور روانی مضمون آفرینی کے لیے مبالغے کا دامن زبردستی نہیں کھینچا گیا نہایت عاشقانہ گہرا رنگ ہے۔ ہر شعر میں زبان اور خیالات کی گھلاوٹ پائی جاتی ہے۔ سلمہ اللہ تعالےٰ کو میر سے بہتر سودا چمکا چکا تھا۔ اُس میں گنجایش نہ تھی نظیر نے بہ تبدیلِ ضمیر ترجمہ کر کے کچھ لُطف پیدا کیا ہے انشا نے ایک نیا فقرہ لیا۔ نظیر نے بھی مطلع میں ایسا ہی کیا۔ دونوں کے مطلع لطیف ہیں۔

پھر آن کے منت سے ملا ہم سے وہ لالا
المنۃ للہ تقدس و تعالےٰ

کر قتل مجھے تو نے ہمیشہ کو جلایا
ظالم، تجھے جیتا رکھے اللہ تعالےٰ

دیکھو اب تو مجھے ہر کوئی کہتا ہے یہی، آہ !
"پھر قبر سے اللہ نے مجنوں کو نکالا"

"مر مر،" مجھے کہتا تھا سو مرتا ہوں میں، یارو
اب لاؤ، کہاں ہے وہ مرا کوسنے والا!

بن تختۂ گل آخرش اِس خاکِ چمن سے
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالا

قاصد، تو مرا نام تو لیجو نہ و لیکن
کہنا: "کوئی مرتا ہے ترا چاہنے والا"

کیا خاک اُڑانے کو چلیں، آہ! چمن میں
نہ یار، نہ ساقی، نہ صراحی، نہ پیالا

جیسا کہ وہ ہو مجھ سے خفا روٹھ چلا تھا
اللہ نے کیوں جب ہی مجھے مار نہ ڈالا؟

شاید وہی بن ٹھن کے چلا ہے کہیں گھر سے
ہے یہ تو اُسی چاند سی صورت کا اُجالا

لے لے کے بلائیں مجھے یہ کہتی ہیں آنکھیں
صدقے ترے، پھر ایک نظر مجھ کو دکھالا

صحرا میں مرے حال پہ کوئی بھی نہ رویا
گر پھوٹ کے رویا تو مرے پاؤں کا چھالا

اَوروں کو جو گرتے ہوئے دیکھا تو لیا تھام
ہم گر بھی پڑے تو بھی نہ ظالم نے سنبھالا

ہم تجھ سے اسی روز کو کہتے تھے نظیرؔ آہ! ‖ کیوں تو نے پڑھا عشق و محبت کا رسالا؟

اِس غزل پر خود نظیرؔ کو بھی ناز تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ جواب اُس سے اچھا بنا۔ چنانچہ اِس کی مقبولیت کے صلے میں اس کو زیورِ خمسہ سے بھی آراستہ کیا ہے۔

(رباعیوں پر رائے)

مجھے ہنسی آتی ہے کہ میں نظیر کی رباعیوں پر رائے لکھنے بیٹھا ہوں حال آں کہ نظیر کے کلیات میں ایک رباعی بھی موجود نہیں۔ البتہ اُس کے فارسی کلام میں چند رباعیاں ہیں وہ بھی کُل ایک وضع کی ایک ہی مضمون پر پھر میں رائے دوں تو کیا دوں۔

رباعی کا اُستاد شعرا کے نزدیک اب وہی شخص خیال کیا جاتا ہے جو عمر خیام سے بڑھ جائے لیکن اُس نے اپنا خیمہ اس قدر بلند قائم کیا ہے کہ کسی شاعر کے قلم و کاغذ کا اک چوبہ اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اردو میں اساتذۂ قدیم کی رباعیاں تو محض تبرک ہیں۔ ذوق نے اِدھر کچھ توجہ کی تھی مگر اُس کے اکثر کلام کے ساتھ رباعیاں بھی تلف ہوئیں۔ متاخرین میں انیس و دبیر اور اِن دونوں خاندان کے شعرا نے کثرت سے رباعیاں لکھی ہیں اور اکثر کام کی لکھی ہیں تشبیہات و استعارات اور خاص عقائد سے قطعِ نظر حکمت و اخلاق کی بہت سی رباعیاں نہایت قابلِ قدر ہیں۔

میں نظیر کو چند رباعیوں سے نہ عمر خیام بنا سکتا نہ درد نہ ذوق نہ انیس نہ دبیر البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس گُر سے واقف تھا کہ رباعی میں تان کی جان ہے چوتھا مصرعہ۔ اُسی میں لَے ہونی چاہیے اور اُسی کو تفتیش سامعہ متخیلہ عقل سب کو فریفتہ کرنا چاہیے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس فن میں اساتذہ نے اس کثرت سے طبع آزمائی کی ہے کہ تازہ مضامین اور مقبول مضامین نکالنے اس میں مشکل ہیں۔ اِس لیے وہ اپنی قدرتِ ایجاد سے کوشش کر کے ایک نئی راہ نکالتا ہے اور گو مختصر ہی لکھتا ہے مگر ایسا لکھتا ہے کہ ذہن پر

اُس کا دیرپا اثر رہتا ہے۔ وہ اپنی مشہور طرزِ مسدّس و مخمّس کے مطابق یہاں بھی بندش کی لڑی میں رُباعیوں کو پرو کر ایک دل چسپ واقعہ بنا لیتا ہے۔ اِس پردے میں وہ اپنی ایک بڑی صنعت یہ بھی دکھاتا ہے کہ ایک مصرعے پر مختلف طور پہ کتنے مصرعے لگائے جا سکتے ہیں۔ سلاست و روانی اور بے تکلّفی اُس کی یہاں بھی ہاتھ سے نہیں جاتی۔ چوں کہ رُباعیاں اُس کی حکمِ عنقا رکھتی ہیں اگر یہاں نقل کی جائیں تو غالباً ناظرین پر بار نہ ہوگا۔ رُباعیاں جو ذیل میں نقل ہوتی ہیں وہ ہیں جو اُس نے ایک اپنی طرز کے پسند کرنے والے دوست کی خاطر سے لکھی تھیں اور ایک سخن فہم دوست کے مطالعے کو خط میں لکھ کر بھیجی تھیں۔ اُن میں کسی قدر اُس ایجاد کی جھلک ہے جس سے حضرت امیر خسرو نے اپنی رُباعیوں کو چمکایا تھا۔

(۱)
دل برد ز من چو نازنینے زیبا
پر حیلہ و پر فریب و پر ناز و ادا
گفتم کہ دلم دہ بہ تبسّم فرمود
البتّہ گر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۲)
چوں روز دگر آں بت عشوہ نما
گفتم کہ نشد وعدۂ دیروز وفا
بشنید و بخندید و بفرمود امروز
البتّہ گر تو بعد یک لحظہ بیا

(۳)
چوں بعد دو پاس پیش آں مہر لقا
حاضر شدم و بگفتم اے حیلہ گرا
حالا چہ بخاطر است ـ گفتا بہم

البتہ گر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۴) چون بعد ز پاس زود مانندِ صبا
خوش رفتم و گفتمش کہ اے مہر فزا
اکنون چہ قرار۔ گفت نہ خواہی آفت
البتہ گر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۵) چون بعد ز ساعتی برفتم آنجا
گفتم کہ چنین دیر مفرما۔ گفتا
اندیشہ مکن کہ دل بدستت آید
البتہ گر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۶) ہم بعد ز لحظہ رفتم و باغوغا
گفتم کہ چنین لیت و لعل تا بکجا
فرمود کہ بیش ازین تعلل نہ شود
البتہ گر تو بعدِ یک لحظہ بیا

(۷) ناچار ز روے عجز گفتم او را
آن لحظہ بفرما کہ چہ باشد گفتا
چندان طلبی نظیر خواہم تو گفت
البتہ گر تو بعدِ یک لحظہ بیا

([illegible] ۱۲۶)

قصیدوں پر رائے

ہم نظیر کو نہ خاقانی و انوری سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو ولایت میں قصائد کے اُستاد تھے۔ نہ امیر خسرو اور فیضی سے جو ہندوستان میں اس فن میں مُسلّم الثبوت تھے۔ نہ سودا سے جو اُردو میں اس فن کا امام ہے نہ انشا سے جو بقولِ آزاد اُردو کا امیر خسرو ہے نہ ذوق سے جو بقولِ ظفر خاقانیِ ہند ہے۔ اگر اس فن میں اُس کی کسی سے تشبیہ ہو سکتی ہے تو وہ حضرت شیخ سعدی ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ وہ تعلق دربار کے سبب کبھی کبھی گو ناصحانہ پیرایے ہی میں کیوں نہو مدحِ اُمرا و سلاطین پر مجبور ہوتے تھے اور اس کو کبھی ایسی مجبوری واقع نہ ہوئی۔

قصائد جو اس کے مُیسّر ہیں وہ تعداد میں بہت قلیل ہیں لیکن ایسا سمجھنا کہ اُس نے اپنی عُمر بھر میں صرف اتنے ہی کہے ہوں گے غلطی ہے۔ جس طرح اُس کا اور بہت سا کلام ضائع ہوا قصائد بھی معرض تلف میں آئے پھر بھی جس قدر باقی ہیں وہ اُس کی اُستادی کے ثبوت کو کافی ہیں۔

قصائد میں بڑی اُستادی ہے گریز جس کو حسنِ مخلص بھی کہہ سکتے ہیں لیکن گریز ہے لازمۂ مدح اور یہاں اس کے قصائد میں سرے سے مدح ہی نہیں پھر لُطفِ گریز کہاں سے پیدا ہو۔ البتہ حُسنِ خاتمہ کی لطافت ہر جگہ موجود ہے اور اسی وجہ سے اُس کے قصائد پر زیادہ تر قطعے کی تعریف صادق آتی ہے۔

طولِ مبالغہ شدّتِ تشبیہ دقّتِ استعارہ مشکل صنائع کا التزام الفاظ کی دھُوم دھام یہ باتین بھی لازمہ مدح ہیں۔ یہاں صرف تشبیب ہے اور بس۔ مخاطب عقل سلیم ہے نہ سُلطانِ ہفت اقلیم۔ پیش کش برگِ سبز ہے نہ لعل زمرّد۔ سر سے تاج ہی نہیں تو لعل و یاقوت کے لیے یمن و بدخشاں کی کیوں خاک چھانی جاے۔ اور دیہیم ہی نہیں تو گوہر و مرجاں کے لیے قلزم و عمّاں میں کیوں غوطے لگاے جائیں نصیحت کی دُکان ہے۔ گو دُکان میں بہت زیادہ آرایش کی چمک دمک نہیں۔ مگر جتنے جواہرات ہیں سچّے قُدرتی نور سے پڑے چمک رہے ہیں۔ راستی کا جوہری بے پروا بیٹھا ہے نہ بہت لمبی چوڑی باتیں بناتا۔ نہ مال کے دکھلانے میں کوئی کرتب کرتا۔ سچّا مال ہے بے لاگ دکھاتا ہے اور بے کھٹکے دام مانگتا ہے۔ جی چاہے لیجیے۔ جی چاہے نہ لیجیے۔ نظیر کے قصائد میں ہنس نامہ بھی داخل ہے مگر شہرت کی ہوا میں خُدا جانے یہ کب سے اُڑ رہا ہے اِس کو تکلیف دینے کی حاجت نہیں۔ دو قصیدے البتہ نئے ہیں۔ غلام محمد رہا نے ذکر کیا۔ باطن نے مٹنے ایک تو میر کے اِس قطعے کی شرح ہے۔

کل پانو ایک کاسۂ سر پر جو آگیا	یکسر وہ استخوان شکستوں سے چُور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر	میں بھی کبھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

دوسرا اوستاد کے اِس شعر کی۔

پردہ داری مے کند بر قصر قیصر عنکبوت	بُوم نوبت مے زند بر کنگرِ افراسیاب

خاقانی نے کسی زمانے میں مدین کے ویرانے کی سیر سے اثر لے کر وہ مشہور قصیدہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

زریں ترہ دیدہ وبزخسرو و ترنج زر	زریں ترہ کو برخواں گو کم ترکُوا برخواں

نظیر کو دُور جانے کی حاجت نہ تھی مدین اس کے گھر ہی میں موجود تھا۔ رقّت جو آئی تو کسی دن عبرت کی آنکھوں سے یوں آنسو بہا دیے۔

یہ جواہر خانۂ دُنیا جو ہے باآب و تاب — اہلِ صُورت کا ہے دریا اہلِ معنی کا سراب
وہ مُطلّا قصرِ رنگیں وہ منقّش بام و در — جن کی رنگینی سے تھا قصرِ ارم کو پیچ و تاب
وہ عظیم الشّان مکاں دیتی تھیں جن کی رفعتیں — ہنس کے طاقِ آسماں کو طاقِ ابرو سے جواب
صحن میں بستاں سرا ایسے پُراز غلمان و حُور — جن کی انہاروں میں جائے آب گل خالص گُلاب
اُن میں تھے وہ صاحبِ ثروت جنھیں کہتی تھی خلق — کیقباد و قیصر و کیخسرو و افراسیاب
مہر وش بہرام صولت بدر قدر و چرخ رخش — مُشتری ہمت ثُریا بارگہ کیواں جناب
وہ تجمّل وہ تموّل وہ تفوّق وہ غرور — وہ تحشّم وہ تنعّم وہ تعیّش وہ شباب
ہر طرف فوجِ بُتاں ہر سو ہجومِ گُل رُخاں — جن کے عارض رُخ ماہ و رشکِ روئے آفتاب
چشمک و آن و اشارات و ادا و سرکشی — طنز و تعریض و کنایت غمزۂ و ناز و عتاب
صبح سے لے شام تک اور شام سے لے تا بہ صبح — متّصل رقص و سرود و پے بہ پے جام و شراب
ساقی و مُطرب ندیم و مستی و میخوارگی — ساغر و مینا و گُل عطر و مے و نُقل و کباب
کثرتِ اہلِ نشاط و جوشِ نوشا نوش سے — از زمیں تا آسماں شورِ نے و چنگ و رباب
وہ بہاریں وہ فضائیں وہ ہوائیں وہ سرور — وہ طرب وہ عیش کچھ جس کا نہیں حدّ و حساب
یا تو وہ ہنگامۂ تنشیط تھا یا دفعتہً — کر دیا ایسا کچھ اس دورِ فلک نے انقلاب
جو وہ سب جاتے رہے دم میں حباب آسا مگر — رہ گئے عبرت زدہ وہ قصرِ ویراں و خراب

تھا جہاں وہ مجمع عالی وہاں اب ہے تو کیا
نقش سمِ گور یا کہنہ کوئی پرِ عقاب

ہیں اگر دو خشت باہم تو لبِ افسوس ہیں
اور جو کوئی طاق ہے تو صورتِ چشمِ پُر آب

خواب کہیے اس تماشے کو نظیر اب یا خیال
کچھ کہا جاتا نہیں واللہ اعلم بالصواب

دوسرا قصیدہ مسجع۔

کیا کاسۂ مے لیجیے اس بزم میں اے ہم نشیں
دور فلک سے کیا خبر پہنچے گا لب تک یا نہیں

یہ کاسۂ فیروزہ گوں ہے شیشہ بازِ پُر فنوں
جتنے حیل ہیں اور فسوں سب اس کے ہیں زیرِ نگیں

کل دامن صحرا میں ہم گزرے جو وقتِ صبح دم
اک کاسۂ سر پُر الم آیا نظر اپنے وہیں

بولا بفریاد و فغاں کیا دیکھتا ہے او میاں
تھے ہم بھی سر بر آسماں گو اب پڑے زیرِ زمیں

گل برگ سے نازک بدن سر پانو سے رشکِ چمن
زریں و سیمیں پیرہن دل کش مکانوں کے مکیں

دن رات ناز و نعمتیں مہ طلعتوں سے صحبتیں
عیش و نشاط و عشرتیں ساقی قریں مطرب قریں

باغ و چمن پیشِ نظر بزمِ طرب شام و سحر
ہر سو بکثرت جلوہ گر حسنِ بتانِ نازنیں

اک آسماں کے دور سے اک گردش فی الفور سے
اب سوچیے گا غور سے در لحظہ آں در لحظہ ایں

سنتے ہی کیا تھرا گیا رخسار پر اشک آ گیا
دل عبرتوں سے چھا گیا خاطر ہوئی بس سہمگیں

اس میں سر اپنا ناگہاں ہر مو ہوا مثلِ زباں
بولا نظیر آگہ ہو یاں من نیز روزے ہمچنیں

تصانیفِ نثر پر رائے

فہم قریب۔ دستور الصبیاں کی وضع کی ایک مختصر سی کتاب فن انشا میں ہے جس میں مبتدیوں کے لیے کچھ رُقعات معمولی آسان عام فہم عبارت میں ترتیب دیے گئے ہیں۔ گمان ہو سکتا تھا کہ شاید یہ اصلی رُقعات ہوں۔ لیکن اندرونی شہادت اِس کے خلاف ہے۔ باپ کے نام جو رقعے ہیں اُن میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "بھائی دہلی میں ہیں۔ اُن کی لڑکی کی شادی ہے۔ کنایۃً مجھے بھی بُلایا ہے۔ صراحۃً آپ کو بھی بُلاتے ہیں۔" (دیکھو رقعہ ۹)۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ "چھوٹے بھائی کی نسبت کے لیے جو روپیہ لیا گیا ہے اُس کا سخت تقاضا ہے۔" (دیکھو رقعہ ۱۰)۔ دونوں جگہ بھائی کا مذکور ہے لیکن نظیر کے بھائی کہاں؟ ایک رُقعے میں کہ وہ بھی باپ ہی کے نام ہے لکھا ہے کہ "چار مہینے سے تنخواہ نہیں ملی۔ لالہ رام چند کے نام رُقعہ جاتا ہے۔ چالیس روپے اُس سے لے کر سر دست کام چلائیے۔" (دیکھو رقعہ ۱۱) ممکن ہے کہ نظیر اپنے باپ کی زندگی میں نوکر ہو گئے ہوں لیکن نہ اُن کو ان کی مدد کی حاجت نہ اُن کو ضرورت خانہ داری سے اِس کی صلاحیت۔ رقعہ ۲۶ میں کہ وہ ماں کے نام ہے لکھا ہے کہ "ڈیڑھ سو روپے جاتے ہیں سو روپے بہن کی شادی میں صرف کیے جائیں۔ باقی اَور اُمور میں۔" اور یہ معلوم ہے کہ جس طرح نظیر کے بھائی نہ تھے بہنیں بھی نہ تھیں۔ غرض اِن قرائن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ رقعے ترتیبی اور فرضی ہیں۔

عبارت معمولی اور عام فہم ہے کُل رقعے قلم برداشتہ بے فکر و رویّت لکھے گئے ہیں۔ صرف ایک رقعے (رقعہ ۲۳) میں کسی قدر رنگینی ہے۔ یہ رُقعے مرشد۔ باپ۔ چچا۔ خالو۔ ماموں۔ پھوپھا۔ بھائی۔

۱۔ کے نام ہیں۔

مقصود ان سے یہ ہے کہ مُبتدی طالب العلموں کو معمولی خط و کتابت کا سلیقہ آجائے معمولی باتیں جو عموماً پیش آتی ہیں مثلاً تلاشِ نسبت۔ تلاشِ روزگار۔ تقاضائے خرچ۔ ارسالِ زر۔ طلبِ خیریت۔ معذرت ان کے اظہار سے عاجز نہ رہیں۔ مختلف درجے کے رشتہ مندوں اور بزرگوں کے آداب و القاب معلوم رہیں۔ خط کیوں کر شروع کرتے ہیں کیوں کر ختم کرتے ہیں اور پھر بیچ میں تمہیدِ مطالب کس عنوان سے ہوتی ہے یہ باتیں مشق ہو ...

نظیر کے لطائف

پن گھٹ کا لطیفہ نمبرا

میاں نظیر کو پن گھٹ کا سین خاص طور پر مرغوب تھا چنانچہ عالم پیری کے بیان میں ایک جگہ تاسف کے ساتھ ارشاد کرتے ہیں :-

پن گھٹ کو ہماری اگر اسواری گئی ہے
تو واں بھی لگی ساتھ یہی خواری گئی ہے
سنتے ہیں کہ کہتی ہوئی پنہاری گئی ہے
لو دیکھو بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

بیسیر تو روز فرماتے تھے مگر ایک دن کچھ زندہ دل پنہاریوں کے جھرمٹ میں گھر گئے۔ سب نے مل کر کہا میاں صاحب ہم تو تم کو جانے نہ دیں گے جب تک کوئی شعر نہ سنا دو۔ کوئی اور شرط کرتیں تو شاید انھیں دقت بھی ہوتی۔ شعر تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ چھوٹتے ہی ذہن میں آگیا۔ پنہاریوں سے کہا ذرا تم صف باندھ کر کھڑی ہو جاؤ تو میں سناؤں۔ پنہاریاں ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئیں۔ تب اُنھوں نے ایک مضحک شعر پڑھا پہلے مصرعے پر ایک خاص تیور سے اپنے خاص حصّہ جسم کی طرف اشارہ کیا اور دوسرے مصرعے کے ہر ٹکڑے پر ہر ایک پنہاری کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے جاتے تھے۔ آدمی تو پہلے ہی

مصرع کو سُن کر چل دیں باقی جو ذرا ڈھیٹ تھیں اُن کو دوسرے مصرع نے بھگایا۔ شعر ختم نہ ہوا تھا کہ سنتے جھینپ جھینپ کر گالی دیتی ہوئی بھاگیں وہ شعر یہ ہے۔

جس وقت کھڑا ہوتا ہے یہ آ...... د کہتا ہے اسے... اسے... اسے..

لطیفہ نمبر۲ ڈپٹی تراب علی صاحب کی روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب حکیم سید افتخار علی مرحوم جو ڈپٹی صاحب موصوف کی برادری سے بہت نامی ذی علم اور راجہ صاحب بھرتپور کے طبیب اور موضع سید پورہ کے جاگیردار تھے آگرے میں تشریف لائے اور میاں نظیر مرحوم کی ملاقات کو گئے۔ باہم گرم بہت اخلاق کی باتیں رہیں۔ آخر کو چلتے وقت حکیم صاحب ممدوح نے فرمایا کہ میاں صاحب آپ نظیر کیا بلکہ بے نظیر ہیں۔ جواب میں مسکرا کر فرمانے لگے کہ بے نظیر فرمایئے خواہ آبے نظیر۔ یہ لطیفہ ہو کر دونوں صاحب خوشی بخوشی جدا ہوئے۔

لطیفہ نمبر۳ یہ بھی ڈپٹی صاحب ہی کی روایت ہے کہ میاں صاحب بڑے پرہیزگار تھے مگر لوگوں کے خوش کرنے کو بعض مرتبہ مضحکے کو کوئی بات فرما دیتے تھے جیسے کسی نے پوچھا کہ میاں صاحب آپ لبیں نہیں لِواتے فرمایا کہ کبھی صافہ بھنگ کا نہیں ہوتا تو بے چھنی ہوئی بھی ان کی آڑ میں پی لی جاتی ہے۔

نظیر کے صنائع

باطن جہاں نظیر کے کلام کی قسمیں گنواتے ہیں وہیں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ نظیر نے اپنے مختلف الاقسام کلام میں کُل صنعتیں شاعری کی ختم کی ہیں۔ یہ ایک مُجمل جملہ ہے جس کی تفصیل بہت تطویل چاہتی ہے۔ باطن کے زمانے میں شاید لال بُجھکّڑ بکثرت تھے جو ایسے ہر نقش قدم میں آہوے مضمون کو پانو میں چکّی باندھ کر چوکڑیاں بھرتے دیکھتے تھے۔ اب کوزوں میں دریا بند کرنے کے دن گئے۔ ع آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند۔

اب تو ضرورت ہے کہ ہر قطرے کو دریا بنائیں اور دریا جو کوزوں میں بند ہیں اُن کو جگمگاتی لہروں کی زرہیں اور اُچھلتے کودتے مینڈھوں کے خود پہنا کر عقل کی چوٹی سے فہم کے دامن تک پہنچائیں۔ کُل صنعتیں شاعری کی ختم کیں اس کے ایک معنی تو یہ ہو سکتے ہیں کہ جتنی صنعتیں شاعری میں مُتداول ہیں اُن سب کا برتاؤ علی وجہ الکمال کیا۔ دوسرے معنی یہ کہ مثالیں ہر صنعت کی کلام میں موجود ہیں گو بعض کم ہیں بعض زیادہ۔ اگر کُل کو معنی میں اکثر کے لیں۔

ولاکثر حکم الکل

تو تیسرے معنی یہ کہ گو بعض صنائع متروک بھی ہوں مگر اکثر موجود ہیں۔

نظیر کو شاعری میں میں نے جو کیرکڑ دیا ہے اُس کے لحاظ سے یہ بالکل خلاف ہے کہ ان تین معنوں سے کسی ایک معنی میں بھی یہ جملہ اُس کے کلام پر صادق ہو۔ میں نے جہاں تک اُس کا کلام دیکھا ہے اور اُس کے

صنائع لفظی و معنوی پر غور کی ہے کہیں بھی اس کا اہتمام نہیں پایا جاتا کہ وہ کسی خاص صنعت کو مدِ نظر رکھتا ہے وہ از روے اپنے اصول کے اس کو ایک بیہودہ بات جانتا تھا کہ خواہ مخواہ صنائع کا برتاو کیا جائے وہ معانی اور خیالات میں اس قدر منہمک ہو کہ بعض اوقات وہ غزل کے قواعدِ زبان کا پابند نہیں رہتا۔ صنائع تو امرِ آخر ہے۔ مگر شعرا کی انجمن میں جاتا تھا۔ گو خود انکسار سے نہ سمجھتا ہو مگر لوگ اکثر جلسوں میں اس کو صدرِ انجمن خیال کرتے تھے۔ شاگرد لوگوں کی چوٹیں سن کر فریاد کناں آتے تھے۔ آدمی ہی تو تھا خود بھی کبھی غیرت سے جوش میں آ جاتی تھی۔ غرض ان اسباب سے کبھی کبھی اُس کو اپنے کلام کو صنائع کے زیور سے آراستہ کرنا پڑتا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے خیال کا اتنا پکا تھا کہ ضرورت سے زیادہ اس نمایش و نمود کا سامان نہ کرتا اور جس قدر سامان کرتا وہ اس قدر کم اور غیر قابل اعتبار ہوتا کہ کسی کو خبر ہوتی کسی کو نہ ہوتی اُس کے کلام کے صنائع سے آراستہ ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نازنین فرنگ کانوں میں کوئی زمرد کا آویزہ لٹکا لے یا گلے میں ہیرے کا نکلس پہن لے یا ہاتھوں میں سونے کے کڑے ڈال لے۔ حُسنِ ذاتی کو ہجومِ زینت سے ڈھانکا نہیں جاتا بلکہ موقع کی آرایش سے مختصر مفید مطلب طور پر چمکایا جاتا ہے۔

غزلوں کی بحث میں لکھ آیا ہوں کہ اُس نے ایک غزل صنعتِ واسع الشفتین میں لکھی ہے۔ کہا نہ جائے تو شاید پڑھنے والے کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آئے کہ اُس میں کوئی صنعت ہے۔ ذرا سا تھیوا مختصر سا حلقہ حسن کی بدولت نازنین نمایش سے مستغنی۔ آپ کو کیا خبر انگوٹھی کس اُنگلی میں پڑی ہے۔ اس غزل کے برعکس غزل نمبر ۵ ہے دیوالی کے بیان میں جس کا مطلع ہے۔

دوستو کیا کیا دیوالی میں نشاطِ عیش ہے
سب مہیّا ہے جو اس ہنگام کے شایاں ہے شے

اس میں ہر شعر میں بلکہ ہر مصرع میں ایک نہ ایک حرف شفوی موجود ہے۔

ہنس نامے سے زیادہ نظیر کی کوئی نظم مشہور نہیں مگر شاید یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس میں ترک حروف کے متعلق یہ ایک خاص صنعت ہے کہ شروع سے اخیر تک ث اور ظ کا کہیں پتا نہیں۔ اور پھر اس پر نظم اس قدر بے تکلف کہ کہیں آورد کی ہوا بھی تو نہیں لگی۔

غزلیں بھی بہت سی ایسی دکھا دی جا سکتی ہیں جن میں بجنسہٖ یہی صنعت موجود ہو مگر مثالیں بڑھانے سے کیا فائدہ خصوصاً جب کہ ترک حرف کوئی بہت بڑی صنعت نہیں۔ اور اگر ہو بھی تو محض لفظی ہے۔ اختیار حرف کی مثال میں یوں تو ہر غزل پیش کی جا سکتی ہے کہ حرف آخر ردیف سے کوئی شعر خالی نہیں۔ اصل مثال وہ ہے کہ جس میں اس صنعت سے کوئی لطف خاص بھی پیدا ہو مثلاً بسنت والی نویں دسویں غزل جن میں سین اور دوسرے حروف صفیرین ہر شعر میں بکثرت اور بالالتزام موجود ہیں اور بسنت کا سہانا سماں سلسلۂ صفیرین دکھا رہے ہیں۔ یا یہ مصرع پلکوں کی جھپک دکھلا دل چھل لیا اک پل میں۔ جس میں بجلی کے حروف بجلی چمکا رہے ہیں۔ صنائع معنوی میں ایہام حضرت امیر خسرو کو بہت پسند تھا اور نثر میں وہ نسبت یعنی رعایت لفظی کی رعایت بدرجۂ کمال ملحوظ رکھتے تھے۔ رعایت لفظی میں (جو دوسرا نام تلازمے کا ہے) ضمن اللفظ بھی داخل ہے۔ ایہام اور رعایت لفظی کے ملنے سے ضلع جگت پیدا ہوا جو آج تک جیتا جاگتا ہے۔ شعرائے طبقۂ اول و دوم میں اس کا بہت چلن تھا اور یوں کہ نظیر بھی داخل متقدمین ہے کہیں کہیں اس سکے کو وہ بھی رائج کرتا ہے۔ زبانی ضلع جگت کی مثالیں اس سے کہیں زیادہ ہوں گی جو کتابوں میں ہیں مگر ہمارے ڈاکٹر جانسن کے لیے باسول کہاں سے آئے۔ بارے درجے ورق گردانی قائم مقامی کرتی ہے اور اوسوں پیاس بجھاتی ہے

پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر نظیر	کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستوں سے

ایک عالم کو کس طرح سر پھوڑے گا اب	گر اسی صورت رہی شیریں زبانی آپ کی

حُسن بازار نظیر کی ایک کتاب ہے اُس میں بزاز کی صفت میں کچھ فقرے اُس نے لکھے ہیں۔ ضلع جُگت کی بانگی دکھانے کو کچھ بُرے نہیں۔

نشستن بزاز در دُکاں بحُسن ممتاز و بر جامہ زیبی خود در ناز از اقسام اقمشہ چیدہ بلباس پسندیدہ از تن زیب فزا و بر شکِ گُل بدن زینت شبنم نما طرز رمز فہمی چناں کہ مائلِ باریک بافتہ[۵۱] یافتہ وطور رنگین بیانی ہماں کہ خواہندہ تافتہ[۵۲] رخ نہ از بہا تافتہ نوع شیریں ازیں بکثرت مطلوب کہ بخندد دارِ خاصہ[۵۳] ازاں بخوبی محبوب کہ نہ بخند گز بہر گرہ از پیمایش گزینہ در حارہ و از پیمودن پرنیان منقش و دیبائے زرکش بے قرار تربۂ ترانداِم لُطف اندام نزاکت انتما و قدرِ مخمل بملایمت کف پا از نیرنگیِ ناز و ادا خوبی جنس دورو و بہ نرمی تکلم دل رُبا گرمی خرید شال مو بمو زیبا لی میاں این چنیں کہ از کشاد بستہ کمر زریں میان کاغذ زود نشیں و اظہارِ قیمت دارائی[۵۴] باں دل آرائی کہ بہ تبسم فرحت قریں مُدعائے اطلس[۵۵] گرفتہ از نگہداری زر بمشت و قفہ گزینی و مطلب بپیام خریدہ بتوصیفِ آں دیر نشینی بحُسن تقریر طلب حریر متجاوز التحریر و بمشاہدہ آں خواہشِ الوان افزائش پذیر متاع بے پردہ بالمشافہہ بہتر و در پردہ تماشائے دیگر۔

تقریر کیا ہے خاصی بزاز کی دُکان ہے۔ تن زیب۔ گُل بدن۔ شبنم۔ بافتہ۔ تافتہ۔ شیریں

۵۱ بافتہ ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔

۵۲ تافتہ ایک قسم کا ریشمی چمک دار کپڑا۔

۵۳ خاصہ ایک قسم کے کپڑے کا نام جو سفید سوت کا ہوتا ہے۔ متوسط کپڑا۔

۵۴ دارائی ایک قسم کا ریشمی کپڑا جسے اُردو میں دریائی کہتے ہیں۔ ساٹن فاربس لکھتا ہے ایک سرخ ریشمی کپڑا۔

۵۵ اطلس ایک قسم کا ریشمی کپڑا جیسے ساٹن وغیرہ۔

خاصہ۔ گزی۔ گاڑھا۔ دیبا۔ ترانذام۔ مخمل۔ دورو۔ دوزخا۔ شال۔ ٹپکا۔ دارائی۔ اطلس۔ پیلام۔ حریر۔ الوان سبھی موجود۔ پھر اس پردے میں مشاہدہ بھی ہو رہا ہے۔ خریداروں کا کیوں اسی ایک دکان پر ہجوم ہے۔ جو خرید چکے ہیں وہ جلد ٹلتے کیوں نہیں۔ خواہ مخواہ قیمت دینے میں دیر کیوں لگا رہے ہیں۔ چیز جب خرید چکے تو اب بیٹھ کر اس کی گھنٹوں خوبیاں جتانے سے حاصل۔

نیطر کے باغ طبع سے ایک جگہ کچھ پھل پھول بھی جمع کر دیے گئے ہیں۔ رعایتِ لفظی کی بہت مثالیں وہاں بھی ملیں گی۔ بیر کی تعریف میں نزاکتِ بے ربا۔ آموں کی رسید میں اشفاقِ عام طبعِ نیاز رس۔

پتنگ کی رسید میں بھی صنعت نے لفاظی دکھائی ہے عبارت کے کنکوے نے ضلع جگت سے دریائی پائی ہے خالی از تفریح نہیں اس لیے میں بھی ڈھیل دیتا ہوں۔

ز حسن تپنگ ای رعایت پسند	پری خانہ شد خانۂ خاطرم

بلطف تپنگ دوبازا زپرواز ہوش دل بوفور سرور کلاہ بہوا انداخت و طائرِ شوق بانبساط موفور چون بمہ غذۂ باد در بال کشائی پرداخت شوخی روے ہوایش پری را برخصت کارِ پرواز وارتباط قیام مائل گرداند و سرعت چپ و راست گردشِ چشم تباں را تماشا رساند طرزِ بالا روی دل ربائی بالا بالا بغمزۂ نازنیناں آموزد و از طور عکس ورزی آمد تیر پرتابی حسرت اندوزد اگر پیش کشی بساجت پرواز بچنگ تارِ شعاعی زیب خورشید آہنگ معانقہ سازد بقطع تکل حریفان چناں تیز رو کہ شاہین بشکار کبکان واز ہیبت و ہراس آں کنکوہ و چچکہ بخوی گریزاں کہ زاغ و زغن از تیر و کماں پروا بہ تہمنامی از گرمی نشاط خنداں و بیک رستہ بسبب لازمی رشتۂ خود بگوے ماہ رساں۔ (قدر متین رقعہ ۲۹)

یہی حال اس نظم کا بھی ہے جس میں کنکوے اور پتنگ تعریف کی ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔

(دیکھو کلیات)

لفظی صنائع میں تجنیس بھی ایک بڑی چیز ہے اور موقع سے بعض وقت اس کا استعمال خالی از لطف نہیں۔ مگر از بس کہ کثیر الاستعمال ہے اس کا وجود کوئی بڑے فخر و امتیاز کی بات نہیں جس طرح اور شعرا کے کلام میں اس صنعت کا وجود ہے نظیر کے ہاں بھی۔ نظیر کو اس کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہے۔

مثالیں — پیتے تھے مے بسا بسا پھولوں میں ہم بسا بسا۔

شوخ بغل میں ناز سے کھولے تھا زلفیں کالیاں	خوش ہو گلے لپٹ لپٹ دیتا تھا میٹھی گالیاں
جو آج دیوے گا یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا	کل دیوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا کل پاوے گا
چپ کے بھی وصف کرنے میں چپکا رہوں میں کیا	شرمندہ ہو کبوتر چپ جس سے دائما

الٹریشن ایک شعبۂ تجنیس کا ہے تجنیس تام میں تمام حالتیں یکساں ہوتی ہیں۔ اس میں فقط اول حرف یکساں ہوتا ہے لہذا اگر اس کو تجنیس الرؤس کہیں تو کچھ بے جا نہیں۔ جس طرح انگریزی نداق ادب کو ترقی ہو رہی ہے عجب نہیں کہ تھوڑے دنوں میں یہ داخل صنائع مروجہ ہو جائے۔

قافیہ جس میں حرف آخر کی رعایت ملحوظ رہتی تھی اب رفتہ رفتہ اُٹھتا جاتا ہے۔ عبارت میں انگریزی شان پیدا ہو رہی ہے۔ لامحالہ اُسی کی طرح رؤس الفاظ کو تاج صنائع پہنائے جائیں گے۔ عربی کی تو نہیں کہہ سکتا مگر قافیہ فارسی میں بھی ایک امر تکلفی تھا۔ قافیے سے پیشتر اِس زبان میں الٹریشن کا فطری قانون کثرت سے متحد الرؤس دو لفظوں کا جوڑا ملا کر فصاحت کا ایک پائدار نتیجہ پیدا کیا کرتا تھا جیسے ہوش و ہنگ نام و ننگ مہر و ماہ خیمہ و خرگاہ شاخ و شانہ چک و چانہ ڈھونڈو گے تو اس قسم کے

لفظی جوڑے فارسی میں بہت ملیں گے۔ اُردو کی پوتھی بھی ان جوڑوں سے خالی نہیں۔ گالی گلوچ۔ دھول دھپا جھک جھوری۔ چھیڑ چھاڑ۔ چہل چھبیلی۔ رنگ رنگیلی۔ گانٹھ گٹھیلی۔ یہ جوڑے آخر نظیر کی نظر سے گزرتے تھے اور گزرتے تھے تو آخر اپنی زیب و زینت بھی ثابت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی ہم اُس کے کلام میں بھی اِس قسم کی مثالیں پاتے ہیں۔

خد و خال خوبی آگیں لب لعل پان سے رنگیں
مکتب کے بیچ گُل کی طرح بستے کھلے رہے
کچھ بن سکا نہ جب تو ہوئی اُن کو بے بسی
لوگوں میں چرچے ہونے لگے اس کے ہر گھڑی
کثرت میں عشق تھا جو بُت گُل عذار کا
تازگی جی کی اور تری تن کی
رات دن شمس و قمر شام و شفق روشن ہوئے

نظر آفت دل و دیں مژہ صد مضرت افزا
ناز و نیاز کیا ہی بستے کھلے اور ملے رہے
چھٹ پن کی تھی جو چاہ تو ہرگز نہ چھٹ سکی
چاہت کی گُل کی بو نہ رہی آخر شش چھپی
ایک جوش تھا جنوں کے چمن کی بہار کا
واہ کیا بات کورے برتن کی
رو کھی ہی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر

مَیں نے موسیقی کی بحث میں دکھایا ہے کہ نظیر کا مذاقِ موسیقی کس قدر لطیف تھا اور اِس اعتبار سے اُس کا کان کیسا سچا اور رس میں ڈوبا ہوا تھا۔ جہاں کہیں آواز سے اثر پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے وہ بہت کامیاب ہوتا ہے اُس کا اِس قسم کا کلام پڑھئے تو ختم کلام پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ابھی ستار بجا کر ہاتھ سے رکھ دیا ہے۔ گو گت بج کر موقوف ہو گئی ہے مگر زمزمے کانوں میں ہنوز گونج رہے ہیں موسم برسات کے بیان میں صفحہ ۳۲ پر جو نظم اُس کی ہے اِسی وضع کی ہے۔ بلکہ یہی کیوں اِس کے قبل اور بعد چاندنی رات اور عالم بہار کے بیان میں جو دو نظمیں ہیں اُن میں بھی یہی لطف ہے۔ اِن تینوں نظموں میں

نظیر کے سلیقۂ موسیقی نے غیر محسوس طور پر کثرت سے الٹیریشن کی رعایت کی ہے جن صاحبوں کو لطف اٹھانا مقصود ہو کلیات اٹھا کر دیکھ لیں ۔ میں یہاں صرف ایک بند پر اکتفا کرتا ہوں ۔

روز مزوں سے رات کو برسے تھا مینہ جھمک جھمک
جام ہے چھلاک چھلاک شیشہ رہے بھبک بھبک
ہم بھی نشوں میں خوب چھک لوٹتے تھے بہک بہک
بوندیں پڑیں ٹپک ٹپک پانی پڑے جھپک جھپک
یار بغل میں بانکا عیش و طرب تھے بے دھڑک
کیا ہی سماں تھا عیش کا اتنے میں آ یک بیک
ابر کھلا ہوا گھٹی بوندیں تھمیں سحر ہوئی
پہلو سے یار اٹھ گیا سب وہ بہار بہ گئی

یہ فقط الٹیریشن کی مثالیں نہیں ۔ الٹیریشن کے علاوہ اس میں صنعتِ تسجیع بھی ہے صنعتِ تکرار بھی پھر سلیقہ شاعرانہ نے بہت سے الفاظ یہاں ایسے بھی جمع کر دیے ہیں جو الفاظ نہیں ہیں بلکہ روزمرے ہیں فصاحت کے شرارے بلاغت کے چمکارے[۱] ۔ الٹیریشن کی مثال وہ بھی خاصی ہے جس میں چڑیاں پڑی چہک رہی ہیں ۔

وقتِ سحر کی رو میں کیا کیا ہوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں کر کر ذکرِ کن اور فیکوں کرتی ہیں
مرغے بولیں ککڑوں کوں کوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں

۱ ۔ کہیں انھی لفظوں کو میں نے الفاظِ شاعرانہ قرار دیا ہے یعنے وہ الفاظ جن میں مشکل مفاہیم شاعرانہ بند ہیں واضع نے ان کو وضع نہیں کیا بلکہ فطرت نے شاعری کی ہے ۔

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چوں بے چوں کرتی ہیں

اس عارفانہ مثال نے ایک مضحک مثال بھی یاد دلائی۔

صبح جب بول اٹھا مرغ سحر کڑوں کوں
اٹھ گئے پاس سے وہ رہ گیا میں ٹڑوں ٹوں

صنائع معنوی کا پھاٹک تشبیہ ہے اور قلعہ استعارہ۔ الیگری[۱] اسی قلعے کی ایک آرٹ گیلری ہے جس میں رمز اور تمثیل کے بہت سی خیال کو بلندی اور اخلاق کو پاکیزگی دینے والی تصویریں خوش نما اور مطلا منقش چوکھٹوں میں شیشۂ معنی سے جلوہ گر ہوتی ہیں۔

لوگوں کو تعجب ہو گا کہ نظیر انگریزی تو جانتا نہ تھا پھر اس نے انگریزی صنائع کی رعایت کی تو کیوں کر کی یہ صحیح ہے لیکن آخر وہ اپنے ہاں کے قواعد بدیع سے تو واقف تھا۔ فن بدیع نے اس کو ایک پاس دے رکھا تھا جس کے ذریعے سے وہ کبھی کبھی اس خیالی قلعے میں آیا جایا کرتا تھا۔ کسی دن اس گیلری کی طرف بھی جا نکلا۔ الیگری کا لفظ گو ہماری زبان میں رائج نہیں نہ اس کا کوئی مرادف لفظ مگر پھر بھی عملاً اس کے معنی سے ہمارے ہاں کے اساتذۂ فارس و عرب واقف نظر آتے ہیں مولانائے روم کی مثنوی میں الیگری کی بہت مثالیں ہیں۔ جب تک استعارہ لفظوں میں محدود ہے استعارہ ہے جب لفظوں سے گزر کر پورے مضمون پر پھیل گیا تو وہی الیگری ہے جس کو تمثیل رمز مجاز جس لفظ سے چاہیے تعبیر کر لیجیے۔ نظیر کی نظموں میں چند

[۱] وہ قصہ یا مضمون جس میں صریح اور ظاہر لفظی معنے اصلی و مقصود بالذات نہ ہوں بلکہ معنیِ اصلی و مقصود بالذات لطافت اور قوت کے لیے تشبیہ و تمثیل کے پیرایے میں بیان ہوئے ہوں

نظمیں کھلی کھلی ایلیگری ہیں۔

ہنس نامہ - آندھی - چوہوں کا آچار - آئینہ - کورا برتن - ریچھ کا بچہ - بھنگ - اژدہے کا بچہ۔

ہنس اصل میں عبارت ہے روح سے - جس شہر سے آیا تھا اُسے عالمِ اطلاق سمجھیے - صحرا سے عالم تعین مُراد ہے - پیڑ قالبِ انسانی ہے - طیُور جو اُس پیڑ پر رہتے تھے اُن سے یا تو تمام افراد مُشارک فی النوع مُراد ہیں یا جسمانی قوٰے - قصدِ سفر سے ظہورِ آثارِ پیری اور پیامِ اجل مُراد ہے - سفرِ موت ہے پہلی منزل قبر۔

آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا حسن المقطع کی ایک عُمدہ مثال پیش کرتا ہے اور سعدی کے اُس قصیدے کو بڑے زور سے یاد دلاتا ہے - جو یوں شروع ہوتا ہے -

	روزے کہ زیرِ خاک تنِ ما نہاں شود	

چوہوں کے آچار میں ایلگری کا چٹخارا سمجھنا ذرا مشکل ہے - مگر خدا نے جن کو مذاقِ سلیم عطا کیا ہے وہ غالبًا بیان سے بیشتر مزہ لے رہے ہوں گے - اگر دُنیا کو شہر فرض کریں اور اس میں جو لوگ مصروفِ معاملات ہیں اُن کو خوانچے والا تو اکثر حالتوں میں یہ بات ثابت ہوگی کہ اُن کو بحث حلال و حرام مطلق نہیں بلکہ باوجودے کہ تمام قسم کے جعل و فریب دغا بازیاں مکاریاں ہر معاملے میں شریک ہیں مگر ہر شخص اپنی ہی شے کی تعریف کر رہا ہے اور ہر ایک شخص کو اُسی کی چاٹ دلا رہا ہے - وکیل سے لے کر ذلیل مختار تک اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے لے کر ادنیٰ پنچ تک اور پارلیمنٹ کے اعلیٰ ممبر سے لے کر بے شعور ووٹر تک اور کمانڈر انچیف سے لے کر ادنیٰ سولجر تک خلاصہ یہ کہ تمام اعلیٰ و ادنیٰ جو منہمک فی الدنیا ہیں دین و مذہب فقط اُن کی نوکِ زبان پر ہے ورنہ دل میں ہر قسم کی بے ایمانیاں

بھر رہی ہیں۔ اسی قسم کے ایک بے نظیر پکے دنیا دار کی نظیر نے آپ اپنے تئیں ایک مضحک خوانچے والا بنا کر دھجیاں اڑائی ہیں۔

نظیر کے آچار کے مصالح قریب قریب وہی ہیں جو شیکسپیر کے تین مشہور جادوگروں کے میکبتھ میں ایک ترک کی زبان تو نہیں ہے اور وہ ایک ترک کی زبان سے ہو بھی نہیں سکتی تھی ورنہ سبھی کچھ ہے۔

چوہے۔ گھوس۔ چھچھوندر۔ چھپکلی۔ مینڈھک۔ کچھوے۔ بچھو۔ کالے ناگ۔ مکڑیاں۔ مکھیاں۔ جوں۔ لیکھ۔ مچھر۔ پسو۔ کھٹمل۔ دیمک۔ چیونٹی۔ چمگادڑ۔ ابابیل کی بیٹ۔ الو کے پر۔ گدھے کی پشم۔ کوؤں کے سر۔ چیل کی آنتیں۔ گوبر کی ڈلی۔ موری کی کیچڑ۔ غور کر کے دیکھیے تو یہ مصالح نہیں ہیں مگر حرام کی تمام چھوٹی بڑی قسمیں۔

بند ذیل میں چالیس برس کی قید ایک گہرے مشاہدے کو دکھاتی ہے۔ واقعی جب تک اس عمر کو نہیں پہنچتا آدمی پکا دنیا دار نہیں ہوتا۔

اوّل تو چوہے چھانٹے ہوئے قد کے بڑے ہیں		اور سیر سوا سیر کے مینڈھک بھی پڑے ہیں	
چکھ دیکھ مرے یار یہ اب کیسے کڑے ہیں		چالیس برس گزرے ہیں تب ایسے سڑے ہیں	

کیا زور مزے دار ہے آچار چوہوں کا

بند ذیل اس مضمون کی ایک مثال ہے کہ حرام میں بڑی رونق ہے اور لوگوں کو اس طرف شدت سے رغبت جعل سازوں دغابازوں کے گھر میں پڑا دھن برس رہا ہے اور دیانت دار کوڑیوں کو محتاج۔

آگے تھے کئی اب تو ہمیں اک ہیں چوہے مار
گلیوں میں ہمیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں خریدار
مدت سے ہمارا ہے اس آچار کا بیوپار
برسے ہے پڑی کوڑی روپے پیسوں کی بوچھار
کیا زور مزے دار ہے آچار چوہوں کا

جس طرزِ بیان پر یہ نظم مبنی ہے اس کو انگریزی میں آئرنی اور عربی میں تعریض کہتے ہیں۔ تعریض کی تلخی کو کچھ تو بات کو ہنسی میں ڈال کر اُڑا دیا ہے کچھ اس طور پر کہ ساری ملامت اپنے سر لے لی ہے۔

روزی تو ہماری یہ اُتاری ہے خدا نے
اور پیٹ کے بھی واسطے دو پیسے کمانے
دن رات پڑے ہم کو یہ آچار بنانے
لذت کو نظیرؔ اس کی جو کھاوے سو ہی جانے

آندھی کی رمز بہت روشن ہے۔ آندھی سے مُراد ہے حرص و ہوا کا زور دُنیاوی لالچوں اور لذتوں کا شور۔ جن لوگوں کے نفس صالح ہیں گو اوّل وہلہ میں فطری کم زوری کے سبب اُن کا دل بھی کسی قدر ڈانوا ڈول ہوتا مگر آخر وہ حرص و ہوا پر غالب آتے ہیں اور قناعت کے بالاخانے میں شاہ صدق و صفا سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ رقیبوں سے شیاطین مُراد ہیں یا اخوان الشیاطین۔

نظیرؔ آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں
میاں ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

کورا برتن اصل میں وہ قلبِ صافی ہے جس کو گناہوں کی ہوا نہ لگی ہو اور صلاحیت ازلی لے کر آیا ہو۔ پانی کی بوند عبارت ہے بادۂ محبتِ الٰہی سے۔ اور پنہاری مُرشدِ کامل ہے۔

خاک سے جب کہ ان کو گڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں

کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں		حور و غلماں درود پڑھتے ہیں	

تازگی جی کی اور تری تن کی۔ الخ

بندِ ذیل کا چوتھا مصرعہ شاہد ہے کہ یہ محض کورے برتن کی تعریف نہیں ہے بلکہ پیرایۂ رمز میں انسانِ خاکی سرشت کی ازلی آب و تاب دکھائی ہے۔

جس صراحی میں سرد پانی ہے		موتی کی آب پانی پانی ہے	
زندگی کی یہی نشانی ہے		دوستو یہ بھی بات پانی ہے	

تازگی جی کی اور تری تن کی۔ الخ

ریچھ کا بچہ اصل میں نفس شریر انسانی ہے اور قلندر انسان۔ اُس کی تعلیم سے مُراد ہے ریاضتِ نفس بندر سے مُراد ہے عالمِ طفولت جس میں قوتِ تقلید بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگل کے اندر۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایامِ طفولت گزر گئے۔ بے فکری کے دن گئے۔ جوابدہی کے دن آئے نفس شریر کو اب رام کرنا چاہیے۔ جب نفس شریر کی تعلیم پوری ہوجاتی ہے اور زیورِ صدق و صلاح سے آراستہ ہوتا ہے تو خلائق خواہ مخواہ جھکتی ہے اور اظہارِ عقیدت و گرویدگی کرتی ہے پھر نذور و فتوح کی کچھ کمی نہیں رہتی۔

یوں پڑتے روپے پیسے کہ آندھی میں گویا بیر	سب نقد ہوئے آکے سوا لاکھ روپے ڈھیر

ذیل کے بند میں نہایت گہرا صوفیانہ نکتہ ہے کہ ہر چند کوئی کتنا ہی بڑا مُرتاض زاہد کیوں نہ ہو مگر نفس کی مخالفت اخیر عمر تک جاری رہتی ہے پس پکا اور سچا صوفی وہی ہے جو کسی وقت اُس کے حملوں سے غافل نہ رہے۔

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا	للکارتے ہی اُس نے ہمیں آن لتاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اُسے گہ اُس نے پچھاڑا	اک ڈیڑھ پہر ہوگیا کشتی کا اکھاڑا

پر ہم بھی نہ ہارے نہ تھکا ریچھ کا بچا

اژدہے کے بچے سے نفس زاہدِ ریائی مُراد ہے اور اُس کے بیچنے سے تعلیم روحانی کی اشاعت کی آڑ میں کسب دُنیا۔ پُرانے اژدہے سے وہ نفس مُراد ہے جس نے خالصاً لوجہ اللہ ریاضت کی ہو اور درجۂ کمال کو پہنچا ہو۔ ایسے لوگوں کے پاس سچائی کی وجہ سے یقیناً لوگوں کا ہجوم رہتا ہے اور چوں کہ روپے پیسوں کی اُنھیں پروا نہیں ہوتی روپے پیسے کیا دن رات جواہرات برستے ہیں۔ لیکن یہ مقام مزلۃ الاقدام ہے۔ اکثر نفوس رجوعِ خلائق سے فریب میں آجاتے ہیں شیطان تو ہر وقت تاک ہی میں بیٹھا ہوا ہے۔ موقع پاکر اس طرح ٹیخ دیتا ہے کہ عمر بھر کو کنونڈے ہو جاتے ہیں۔ مرد وہی ہے جو ہر حال میں خدا پر نظر رکھے کیوں کہ رجوعِ خلق سے گو دُنیا میں عروج ہو مگر وہ عروج چند روزہ ہے۔ اصل عروج وہی ہے جو اُس جہان میں سربلندی دے۔

اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا	سچ ہے نظیر آخر اجگر کے رام داتا

آئینے کی جوانی کی بحث میں شرح ہو چکی ہے۔ رہ گئی بھنگ۔ میرے نزدیک اس سبزی میں حافظ شیراز کے بادۂ ارغوانی کی سرخی جھلکتی ہے۔ بھنگ کی تعریف میں ایک نہیں تین تین نظمیں ہیں مگر جس نظم کو پڑھ جائیے باوجود بندش کی رندانہ آزادی اور عبارت کی قلندرانہ لفاظی کے اُس میں معرفت کی کیفیت چھائی ہوئی ہوگی۔

(پہلی نظم)	پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے

جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

یعنی صوفیوں کی بزم میں نشۂ معرفت سے سرشار ہو پھر دیکھ یہ دُنیا جس کو تو اپنا گھر سمجھ رہا ہے اور جس میں تیری غفلت نے چھاؤنی چھا رکھی ہے کس طرح متزلزل نظر آتی ہے۔

گر دیکھنے ہیں تجھ کو کچھ عیش کے جھڑاکے	تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑ جھڑا کے

پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے

یعنی دُنیا سے آستین جھاڑ اور عاقبت کا ہوش کر

دوسری نظم کا پہلا ہی مصرعہ ہے۔

کیوں عبث بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل

گویا غفلت جو اُمورِ دین کی طرف سے لوگوں میں عام ہے اُس سے چونکاتا ہے اور کہتا ہے آنکھیں کھول اور عرفان کے اکھاڑے میں در آ پھر دیکھ کیا کیا قُدرت کے کھیل نظر آتے ہیں۔

کونڈی سُنتکے کو بجا اور دیکھ ٹک قُدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

خضر جن کی تصویر بندِ ذیل میں ہے اور جو بنگ پینے کی ہدایت کرتے ہیں یقیناً مُرشدِ کامل ہیں۔

کل مجھے دریا اُپر خواجہ خضر جو مل گئے	سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اعصا لیے
کم خوراکی اور ناتوانی کے گلے جب میں کیے	تب تو وہ مُنہ دیکھ میرا ہنس کے یوں کہنے لگے

کونڈی سُنتکے کو بجا۔ الخ

اس کے بعد جتنے بند ہیں سب فقر کے رنگ میں ڈوبے ہیں یہاں تک کہ خاتمہ اس مصرع پر ہے۔

یہ وہ سبزی ہے جسے پیتے ہیں یاں آکر فقیر

تیسری اور آخری نظم کا پہلا ہی مصرعہ یہ ہے۔

دُنیا کے امیروں میں یاں کس کا رہا ڈنکا

پہلی نظم کی طرح عاشق کا اس میں بھی شروع ہی سے ذکر ہے

کونڈی کے نقارے پہ خُتکے کا لگا ڈنکا[1]
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

بند تو اس نظم میں یہ لکھا ہے۔ واقعی زمرّد کا ٹکڑا ہے۔

اُلفت کے زمرد کے یہ کھیت کی بوٹی ہے	پتوں کی چمک اس کے کمخاب کی بوٹی ہے
منھ جس کے لگی اس سے پھر کا ہے کو چھوٹی ہے	یہ نان ٹکورے[2] کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پہ خُتکے کا لگا ڈنکا الخ

فقیر کی مستی کا سماں ذیل کے بند میں چھایا ہوا ہے۔

ہیں مست وہی پورے جو کونڈی کے اندر ہیں	دل اُن کے بڑے دریا جی اُن کے سمندر ہیں
بیٹھے ہیں صنم بُت ہو اور جھومتے مندر ہیں	کہتے ہیں یہی ہنس ہنس عاشق جو قلندر ہیں

کونڈی کے نقارے پہ خُتکے کا لگا ڈنکا۔ الخ

لہ چوب۔ نقارہ بجانے کی لکڑی۔ نقارہ۔ دھونسا۔

ٹہ ٹکورا۔ ڈنکا۔ نوبت کی آواز۔ (مغفور) وفائے وعدۂ دیدارِ جاناں ہے جو محشر پر * نوبت نفخِ صورِ اسرافیل نوبت کا ٹکورا ہے (ظفر) ہر ٹکورے پہ ہے نوبت کی طرح دل ہلتا * اب تو نوبت سے لگا کر ہے یہ نوبت پہنچا۔ (میر حسن) ٹکوروں میں نوبت کی شہنا کی دُھن گھگھر سننے والوں کو کہتی تھی سُن۔

پرسونیفیکیشن استعارۂ بالکنایہ کی ایک قسم ہے جسکو استعارہ بالتشخص کہہ سکتے ہیں۔ اس میں بے زبان اشیا اور غیر ذوی العقول چیزوں کو بلکہ بعض اوقات محض خیالی اُمور کو بھی ایک تشخص ذاتی دیتے ہیں اور اُن کو تمام لوازم عقل و نطق و حیات سے آراستہ کرکے تھوڑی دیر کے لیے حیوان ناطق بنا لیتے ہیں۔ یہ تو کہنا محض غلط ہوگا کہ قدیم شاعری میں اس کا رواج نہ تھا مگر اتنی بات البتہ ہے کہ انگریزی کے رواج نے اس کو صنائع میں اب کسی قدر زیادہ نمایاں اور مقبول کر دیا ہے۔ اب کوئی عبارت ایسی نظر سے نہیں گزرتی جس میں یہ صنعت موجود نہ ہو۔ یہ صنعت چوں کہ اب انگریزی سے اردو میں لی گئی ہے اس لیے اگر اس کو استعارۂ فرنگ بھی کہیں تو بجا ہے اس استعارۂ فرنگ نے اب ایسی مسیحائی کی ہے کہ اکثر بے جان خیالی جمادات میں جان آگئی ہے اور وہ عبارت کی انجمن میں عقل کے لب و لہجے سے گفت گو کرتے پھر رہے ہیں۔

نظیر اولاً تو اس زمانے کا آدمی نہیں دوسرے اُس کو صنائع سے زیادہ رغبت نہیں پھر کیوں کر امید کی جا سکتی ہے کہ یہ صنعت جو گویا مخصوص بفرنگ ہے اس کے ہاں زیادہ پائی جائے گی لیکن چوں کہ سچا شاعر ہے سلیقہ فطری اُس کو جہاں اور سچے صنائع شاعرانہ میں ماہر دکھاتا ہے وہاں ایک خاص اعتدال کے ساتھ اس صنعت میں بھی مشغول رکھتا ہے۔ گو اُس کو اس صنعت کا چنداں اہتمام نہیں مگر جہاں بے تکلفی کے ساتھ بعض برجستہ فقرے نکل آئے ہیں تو اس لطف سے آئے ہیں کہ جو لوگ خاص اسی صنعت پر مٹے ہوئے ہیں اُن سے بھی عمر بھر ایسا ایک فقرہ نہ نکلے۔

نگہ لڑائی ہے اُس نے جس دم جھٹک لیا جھپ تو پے دل کو میرے
ادا ادا نے اِدھر دبوچا پلک پلک نے اُدھر اُچھالا
لڑاتے ہی

چلا جب گھر سے اک دل بر دلوں کو حسن سے چھلنے
عرق کو رُخ کے پلکوں کی جھپک پنکھا لگی جھلنے

لکھے تسخیر کے سو نقش اور تعویذ ہیکل نے ۔۔۔ لگایا دام زلفوں کی شکن نے پیچ نے بل نے
بنایا پان نے رنگ اور سنبھالا سحر کاجل نے

نہ آیا رحم کچھ اُس کو بہت میں نے سماجت کی ۔۔۔ نگہ نے سامنے آتے ہی سینے میں سناں جڑ دی
کمند زُلف پر خم نے بھی گردن دُل کی پھر جکڑی ۔۔۔ لگے غمزے لگانے تیر ادھر دکھلا کے سو پھرتی
ادھر سے تیغ ابرو کی بھی پھر کیا کیا لگی چلنے

ادھر آن و ادا لیٹی کرشموں نے اُدھر گھیرا ۔۔۔ اُدھر پلکوں کی نوکوں نے چبھویا دل میں نشتر سا
اِدھر انداز نے دھج کے کیا دیوانہ و شیدا ۔۔۔ اُدھر آنکھوں کے جادو نے بنایا باولا کیا کیا
ادھر کیں پھرتیاں کیا کیا نگاہوں کی بھی چھل بل نے

سُدھ لے گئی بالے کی جھمک صبر کرن پھول ۔۔۔ اور عقل کو بُندے
بالی کی گئی جھوک لگا سینے میں اک ہُول ۔۔۔ دل لے گئے جھُمکے

اور جی کے تئیں لے گئی زنجیر طلائی ۔۔۔ زنجیر نبھا کر

کاجل کی کھنچاوٹ نے کیا دل پہ یہ طوفان ۔۔۔ جو ہوش اُڑایا
مسّی کی دھڑی نے وہ کیا ظلم نُمایاں ۔۔۔ جو غش پہ غش آیا
ہاتھوں نے بھی اک آگ سی سینے میں لگائی ۔۔۔ مہندی کو دکھا کر

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دِکھلاتی ہے لہریا ۔۔۔ رکھتی ہے کہیں زُلف پریشان تماشا
خوشی یہ بولی تمہاری میں گرد خاطر ہوں ۔۔۔ ادھر سے عیش پکارا کہ میں بھی حاضر ہوں
میری نظر بھی دوڑ کے اُس کی نظر سے وہاں ۔۔۔ ایسی لڑی کہ خوب لڑی خوب ہی لڑی

پھانک بیجوں کی بھری لے ہے وہ جب منھ سے لگا		تب لپٹ جاتا ہے کیا پیار سے ہنس کر تربوز	

اندھیری رات میں اسی صنعت کے ستارے جگمگا رہے ہیں۔

ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری		کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری	

جاڑے کے اکھاڑے میں اسی صنعت کا پہلوان خم ٹھونک رہا ہے۔

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی		اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی	
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی		پالا برف پگلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی	

چلا خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

برسات کے صحن میں بھی اسی کی پھسلن ہے۔

لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں سے کھڑا ہوا تو کیا		چھجا گرا منڈیرے کا پتھر پھسل پڑا	

سب سے زیادہ ہولی نے اس صنعت کو رنگا ہے۔ یوں تو ہولی کی ہر نظم میں یہ رنگ اچھلا ہے مگر اس نظم میں جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

جُدا نہ ہم سے ہوئے خوش جمال ہولی میں

رنگ دھواں دھار ہے گو پچکاریاں چل رہی ہیں مگر معلوم ہوتا ہے ہنری ماریٹنی کی باڑھیں ہیں۔ نظیر نے سفید اور زرد کو دو صاحبِ ملک و مال قرار دیا ہے۔ انکی دونوں کے آپس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ دو پادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔ ایک کہتا ہے ملک چھوڑ دے۔ دوسرا کہتا ہے میں تو نہیں چھوڑنے کا۔ تو لڑ دیکھ۔ دونوں طرف سے فوجی طیاریاں ہوتی ہیں۔ پھر لڑائی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عین جس وقت میں لڑائی کا بازار گرم ہے ایک شوخ نازنین سیر کو آتا ہے۔ متنفسرِ احوال ہوتا ہے اور بیچ میں پڑ کر صلح کروا دیتا ہے

ازبس کہ اس نظم کا مفہوم خیالاتِ فرنگ سے کے مطابق ہے لہٰذا اگر اس کے اشعار یہاں نقل کیے جائیں تو غالباً ناگوارِ طبعِ ابنائے زماں نہ ہوگا۔

سبھوں کے عیش کو پھاگن کا یہ مہینا ہے
طلا کا زرد کنی سر بسر خزینا ہے
سفید و زرد میں لیکن کمال کینا ہے
سفید پاس فقط سیم کا دفینا ہے
ہر ایک دل میں ہے رستم و زال ہولی میں

کہا سفید سے آخر کو زرد نے یہ پیام
کہ اے سفید تو اب چھوڑ دے جہاں کا مقام
میں آیا اب تو مرا بند و بست ہوگا تمام
تو مجھ سے آن کے مل چھوڑ اپنی ضد کا کلام
وگرنہ کھینچے گا تو انفعال ہولی میں

ملے گا مجھ سے تو میں تجھ کو پھر بٹھاؤں گا
بنا کے آپ سا پاس اپنے سے بٹھاؤں گا
کہا سفید نے میں مطاعت نہ آؤں گا
تجھی کو بعد کئی دن کے میں بھگاؤں گا
تو اپنا دیکھیو کیا ہوگا حال ہولی میں

یہ سن کے طیش میں آ زرد کا سپہ سالار
چڑھ آیا فوج کو لے کر سفید پر اک بار
ادھر سفید بھی لڑنے کو ہو کے آیا سوار
صفیں مقابلہ دونوں کی جب ہوئیں طیار
ہوا کرخت جواب و سوال ہولی میں

پلا اُدھر سے سفید اور ادھر سے زرد بہار
گھٹائیں رنگ برنگ فوجوں کی جھلکیں سرشار
بکھالیں مشکیں چھٹیں رنگ کی پڑی بوچھار
تھی چار طرف سے پچکاریوں کی مارا مار
اُڑا زمیں سے زماں تک گلال ہولی میں

یہاں تو دونوں میں آپس میں ہو رہی یہ جنگ ۔۔۔ اُدھر سے آیا جو اک شوخ بارُخِ گل رنگ
ہزاروں نازنیں معشوق اَور اُس کے سنگ ۔۔۔ نشے میں مست کھلی زلف جوڑے رنگ رنگ

کہا کہ پوچھو تو کیا ہے یہ حال ہولی میں

کہا کسی نے کہ ای بادشاہِ مہ رویاں ۔۔۔ سفید و زرد یہ آپس میں لڑ رہے ہیں یہاں
یہ سُن کے آپ وہ دونوں کے آگیا درمیاں ۔۔۔ اُدھر سے تھا نباتا سے اور اُدھر سے اس کو کہاں

تم اس قدر نہ کرو اختلال ہولی میں

کہو تمھاری خصومت کا ماجرا ہے کیا ۔۔۔ کہا سفید نے ناحق یہ زرد سے ہم لڑتا
یہ سُن کے اُس نے وہیں اپنا اک منگا جوڑا ۔۔۔ پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو پھر کوا دن رنگوا

کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی میں

پھر اپنے تن میں جو پہنا وہ خلعت رنگیں ۔۔۔ سبھوں کو حکم کیا پہنو تم بھی اب یونہیں
ہزاروں لڑکوں نے پہنے وہ جوڑے پھر وہیں ۔۔۔ پکار اُٹھی خلق کہ انصاف چاہیے یونہیں

ہوا پھر اور ہی حسن و جمال ہولی میں*

ٹرنسفر آف اپتھٹ بھی ایک قسم کا استعارہ بالکنایہ ہے جس کو استعارہ بالاوصاف کہہ سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اوصاف جو کسی شے کے ساتھ مخصوص ہیں اُن کو اُس شے سے منتقل کرکے دوسری کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے اُن کو کسی طرح کی مناسبت نہیں ہوتی اور یوں بالکنایہ اُس چیز کا اُس شے سے استعارہ کرتے ہیں جو واقع میں اُن اوصاف کی مستحق ہے۔ انگریزی میں اس صنعت کا

* جس طرح اس ہولی میں زرد و سپید کی لڑائی ہے ایک جگہ جوانی اور بڑھاپے کو بھی لڑایا ہے اور دھیرج کو بیچ میں ڈال کر صلح کرا دی ہے۔

بہت رواج ہے۔لیکن اُردو میں مجھ کو اس کی مثالیں بہت کم ملی ہیں۔اُنھی معدودے چند میں نظیر کے ہاں کی یہ مثالیں بھی ہیں۔جہاں نظیر نے کورے برتن کی تعریف کی ہے وہاں ایک مصرعہ یہ لکھا ہے۔

سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں

ٹھٹھولیاں سوندھی نہیں ہوا کرتیں۔سوندھی مٹی ہوتی ہے۔سوندھے برتن ہوتے ہیں۔یہاں شاعر نے نہایت لطافت سے اپنے لطیفوں کا کورے برتن سے استعارہ کیا ہے۔مُدّعا یہ ہے کہ میرے لطائف لطائف نہیں ہیں بلکہ نُدرت کی وجہ سے کورے برتن جس میں آب داری کی بوند پڑ کر لطافت کی سوندی سوندی خوش بو پیدا کر رہی ہے۔

چوہے کے آچار میں مصرعۂ ذیل بھی اسی مذاق میں ہے۔

اور چرپری مُہری کی بھی کچھڑے ہے ملائی

چرپری اصل میں مرچ یا رائی یا اُسی قسم کے اور تیز مصالح کی صفت ہے۔کچھڑ کو اس صفت سے موصوف کرنا گویا بالکنایہ اُس کو گرم مصالح قرار دینا ہے۔

ایہام کی صنعت بھی ایک لطیف صنعت ہے اور اس کا قُدما میں کثرت استعمال ہے۔

امیر خسرو کے نزدیک اس صنعت کی بڑی وقعت ہے اور اُنھوں نے اپنی قوت ایجاد سے اس کی خوبی کے نئے نئے رستے نکال دیے ہیں۔مُتأخرین میں صاحب واسوخت امانت نے اس کو اچھی طرح برتا ہے۔مشہور ہاجی مرثیہ گو مُشیر کے ہاں بھی اس کا پتا تو کسی قدر پایا جاتا ہے۔اور جس قدر ہے شوخی کے ساتھ ہے۔میر انیس کے خاندان نے اس میں کسی قدر لطافت پیدا کی ہے۔مگر اب موجودہ زمانہ اس پر زیرِ لب

لہ چرپرا۔تند۔چٹ پٹا۔چٹخارے کا۔گرم۔سوزاں۔

ہنسنے لگا ہے۔ ایسی صورت میں نظیر کے ہاں اس کا برتاؤ جس قدر کم ہو اس کے ہوا خواہوں کے لیے ایک خوشی کی بات ہے۔

باطن نے اپنے تذکرے میں ایہام کی مثال میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

کھوری چوٹی ادا میں موٹی جفا میں لمبی وفا میں چھوٹی	ہے اس سے کھوٹی کہ دل ہر اک کا ہر اک لٹک میں لٹک رہا ہے
وہ پیچی کافر سیاہ پٹی نہ دل کے زخموں پہ باندھے پٹی	پڑھی نہ ہے جس نے کہ اس کی پٹی وہ پٹی سے سر پٹک رہا ہے

اس مثال میں صنعتِ تسجیع کی مثال بھی آگئی اور پہلے شعر میں استعارۂ فرنگ بھی کسی قدر ہے اور مثالیں۔

تیر نگہ کو راہ ادھر دیکھ بھال دو	لکڑی سے پہلے تاڑنے والوں کو ٹال دو
ڈالی سمیت گل کو اٹھایا تو ہے و لے	پہنچے میں نازکی ہے بس اب اسکو ڈال دو
تلوار اس کے ابرو نے کھینچی میاں نظیر	دل تم بھی دو بدو ہی کے سانچے میں ڈھال دو

کچھ مثالیں مجھ سے لیجیے۔

پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے	پیسا نہیں تو آدمی چرخے کی مال ہے
وہ جو پانی کی کوزی گولی ہے	وہی آنے کے مول کولی ہے
کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے	کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی ۔ الخ

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں	ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹھولیاں باندھیں	دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی۔ الخ

گورا پنہاری کا جو ہے مٹکا	اُس کا جوبن کچھ اور ہی مٹکا

پھبتی۔ تشبیہ اور پھبتی دونوں گویا ایک چیز ہیں۔ لیکن اب استعمال میں پھبتی زیادہ تر اُس تشبیہ کو کہتے ہیں جس میں پہلوِ ظرافت کا ہو۔ پھبتی ایک زمانے میں ہماری سوسائٹی میں بہت رائج تھی۔ کوئی شخص اُس وقت تک کہ اس فن کا اُس کو کمال حاصل نہ ہو علمِ مجلس میں کامل سمجھا ہی نہیں جاتا تھا۔ نظیرؔ جس سوسائٹی میں اُٹھتا بیٹھتا تھا اُس میں دن رات اسی کا چرچا تھا۔ اُس کی جبلّی شوخیِ طبیعت نے یقیناً نئے گُل پھول تراشے ہوں گے۔ مگر افسوس وہ کُل میرے پیشِ نظر نہیں ہیں۔ تلاش کی گُل چینی سے جو ملے ہیں وہ حاضر ہیں۔

(پہلی پھبتی) جوانی کو ہرے رُوکھ سے تشبیہ دی ہے اور بڑھاپے پر اس پیڑ کی پھبتی کہی ہے جس کو نہ فقط پت جھڑ کا صدمہ پہنچا ہو بلکہ سلبِ رطوبت سے جڑ بھی سوکھ گئی ہو۔

بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا رُوکھ	اب کیا ہے جو پت جھڑ ہوا اور جڑ بھی گئی سوکھ

(دوسری پھبتی) بوڑھے آدمی پر لنڈورے مرغے کی۔

اب آکے بڑھاپے نے کئے ایسے ادھورے	پر جھڑ گئے دُم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

(تیسری پھبتی)۔ ڈاڑھی پر مکڑی کے جالے کی۔

ڈاڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی

(چوتھی پھبتی) بڑھاپے کی سیر دریا پر خضر کی مُلاقات کی۔

دریا کے تماشے کو اگر جائیں تو یارو	کہتا ہے ہر اک دیکھ کے جاتے ہو کہاں کو
اور ہنس کے شرارت سے کوئی پُوچھے ہے بڑھ کر	کیوں خیر ہے کیا خضر سے ملنے کو چلے ہو

(پانچویں پھبتی)۔ جسم پر جھونپڑے کی۔

اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا	بابا یہ تن ہے دم کے گزارے کا جھونپڑا

(چھٹی پھبتی) جسم پر ڈربے کی۔

اس میں ہی سب پرند اسی میں چرند ہیں	تھا جھونپڑا ابھی اب اسی ڈربے میں بند ہیں

(ساتویں پھبتی) دنیا پر ٹھگوں کی بستی کی۔

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا	یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

(آٹھویں پھبتی) شہدا کے سروں پر تربوز کے ڈھیر کی۔

اس طرح سر کا شہیدوں کے پڑا تھا انبار	جیسے بازار میں تربوز کے اوپر تربوز

کچھ پھبتیاں ککڑی پر بھی کہی ہیں۔ مزے کی ہیں۔

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں	گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں	مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب - الخ

ٹیڑھی ہے سو تو جوڑی وہ ہیر کی ہری ہے	سیدھی ہے سو وہ یار و رانجھا کی بانسری ہے

تشبیہ۔ تشبیہ کے بغیر تو شاعری ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر مجھے اس ذیل میں صرف یہ دکھانا ہے کہ نظیر نے نہ تو ملٹن کی طرح لمبی لمبی تشبیہیں اختیار کی ہیں جو تشبیہیں نہیں ہیں بلکہ خیالی ہیولے! ما نہ متاخرین شعرائے ہند کی طرح تشبیہ میں خیالی موشگافیوں سے کام لیا ہے کہ مفہوم موئے کمر کی طرح نقطہ موہوم بن گیا ہو۔

ہوش کی طرح اُڑا - نشے کی طرح چڑھا - خبط کی طرح سمایا - رنگ کی طرح جما - یہ بھی کوئی تشبیہ ہے -

تعریف المجہول بالمجہول -

نظیر کے ہاں تشبیہیں ہیں مگر اعتدال کے ساتھ - وہ کبھی کبھی تشبیہوں میں اپنا خاص رنگ بھی بھرتا ہے جو اکثر چٹکیلا ہوتا ہے - مثلاً جان کی پودنے سے - جب تن سے ہوا ہو گئی وہ پودے سی جان پُرانے مرغِ رُوح میں اِس پودنے سے نئی جان آگئی ہے -

جاتا تھا ئرخ جوڑے میں تن یوں جھمک کھا	گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

استعارہ - اِس کی اور قسمیں تو اُوپر بیان ہو چکیں - اِس میں اور تشبیہ میں کچھ زیادہ فرق نہیں صرف حرفِ تشبیہ کی دُوری حدِ فاصل ہے - حقیقت میں استعارہ بھی تشبیہ ہے مگر بالکنایہ - استعارے کی یوں تو نظیر کے کلام میں بہتیری مثالیں ہیں - مگر مجھے صرف اُن استعاروں سے غرض ہے جو کسی اور سے مستعار نہیں -

بنجارہ نامے میں یہ چند استعارے نظیر کے خاص ہیں -

اجل کا قزّاق -

قزّاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقّارا	قزّاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گرا دے گا

مرگ کا ہانکنے والا بدن کا بیل -

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا

روح کا ٹائیک -

جب نائیک تن سے نکل گیا جو ملکوں ملکوں ہانڈا ہے

پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے

اجل کے چند استعارے اُس نظم میں بھی خاصے ہیں جس میں عارفانہ رنگ میں بے ثباتی دنیا کی تصویر کھینچی ہے۔

اجل کی توپ۔

جب توپ نے اجل کی آمورچہ لگایا	سب اُڑ گئے ہوا پر کوئی کام نہ آیا

مرگ کا شیر خاں اور قضا کا پنجہ۔

پنجہ اُٹھا قضا کا جب اے شیر خاں جی	پھر کس کے ہر خاں جی کس کے وزیر خاں جی

اجل کا تیس مار خاں۔

آیا قدم اجل کے جب تیس مار خاں کا	خبر بھی کہیں نہ دیکھا پھر شہسوار خاں کا

قضا کا راج۔

جب راج نے قضا کے کرنی بسولی ٹانکی	اک اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی
ڈھاتے تھے واں مزور توتن کی محل سرا	پر گھر بنا رہے تھے دو الیس اُٹھا اُٹھا
اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آچڑھا	شہتیر سا وہ قد تھا سو خم ہو کے جھک گیا

اگرنے لگی کڑی پہ کڑی تب خبر پڑی

اجل کا فوج دار۔

لے کر سند اجل کا جب فوج دار آیا	اک دن میں حکم و حاصل سب ہو گیا پرایا

اجل کا یکہ تاز اور اُس کا کٹک۔

آیا کنگ اجل کے جب یکہ تاز خاں کا	سر بھی کہیں نہ پایا پھر سر فراز خاں کا

قضا کا مردہا۔

آیا قضا کا مردہا جس دم چھڑی اٹھا کر	کتوالی اور صدارت سب اڑ گئی ہوا پر

قضا کا بانکا۔

جب گھور کر قضا کے بانکے نے آ کے جھانکا	ٹیڑھا رہا نہ ترچھا گنڈا رہا نہ بانکا

اجل کا دیو۔

جب دیو کا اجل کے سایہ ہوا مقابل	ملا رہا نہ سیانا عالم رہا نہ فاضل

قضا کا ترسول اور وقت کا مہادیو۔

ترسول لے قضا کا جب وقت سر پر آیا	نے بانکے کو بچایا نے آپ کو بچایا

کچھ استعارے ضمناً اوپر بھی بیان ہوئے مثلاً پاؤں کا استعارہ بنکے سے یا کونڈی ختکے کا نقارے اور ڈنکے سے۔

بڑھاپے کی شراب۔

آئی شراب اس میں بڑھاپے کی خواہ مخواہ	پہلے کے جام میں نہ ہوا کچھ نشہ تو آہ
دل بر نے دی جب اس سے کڑی تب خبر پڑی	

تبسم کی شکر۔

نہ بولا منھ سے ہرگز دیکھ کر وہ خوش دلی میری	مگر کچھ کچھ تبسم کی شکر لب سے لگا ملنے

عشق کا باز جرا

چاہے اگر اڑانا عشرت کا باز جرا	تو پہن ہار بدھی اور سر پہ رکھ کے طرا

بری عاشقوں میں۔ ۔ الخ

اشک کی شیشی۔

پھنکی نکلتی ہیں اشکوں کی شیشیاں یارب	ہمارے سینے میں کس شیشہ گر کی بھٹی ہے

کنایہ۔ یوں تو کنایہ ہر جگہ ہے تشبیہ میں کنایہ۔ استعارے میں کنایہ۔ ضلع میں کنایہ۔ جگت میں کنایہ پھبتی میں کنایہ۔ ایلگری میں کنایہ۔ ٹرنیسفر آف اپیتھٹ میں کنایہ۔ غرض وہیں کنایہ ہے جہاں کوئی بات ذرا بھی پردے میں بیان کی گئی ہے۔ لیکن یہاں میری غرض صرف اس کنایے سے ہے جو نہ لفظی گل اندام بلکہ کسی خاص شاہد مطلب یا واقعہ کو خوش نما چلمن کی آڑ میں بٹھاتا ہو۔ مثالوں سے یہ مطلب زیادہ روشن ہوگا۔

مثالیں۔

صبح ہونے کا کنایہ۔

جب آنکھ سے سورج کی ڈھلا رات کا کجرا

لطف وصل کا کنایہ۔

گل سا ملا وہ مجھ کو نیا گدگدا بدن	رگ رگ میں مری چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی

مبالغہ۔ بالغ نظر جانتے ہیں کہ مبالغہ نظیر کی طرز سے کس قدر دور ہے مگر پھر بھی شاعری کا ایک یہ زیور ہے اور قیمتی زیور ہے۔ ہاتھ سے کیوں کر دے سکتا تھا۔ زیادہ تر تو بے پروائی کے بکس میں بند پڑا رہتا ہے مگر نمائش کے بیسیوں موقع ہیں۔ کبھی نکل بھی آتا ہے۔ شاہد معنی کا ماتھا چومیے جس کے صدقے میں جگمگاہٹ

ہماری نظر میں بھی ہے۔

پڑھ علم ریاضی جو منجم ہوے دھومی	پیشانی مہ و زہرہ و برجیس کی چومی
آوانہ سے واقف ہیں اشاروں سے خبر ہیں	پروازمیں ہم شہپر عنقا سے نظر ہیں
آور ہے دو دھارے کی بھی کچھ اور آن بان	حیراں ہو جس سے تیغ نگاہِ پری رخاں
اُڑنا پہاڑیے کا بھی ہے اس قدر بلند	اُکھڑے تو پھر فلک پہ ہو پانا پتنگ کا
سو بار حریر اُس کا مسکا نگہ گل سے	شبنم سے کب اے بلبل پیراہن گل مسکا
نام سے اُس گل کے ہیں لب ریز شہد	خلد کے حورانِ شکر خا کے لب

سچا مبالغہ۔

عشق میں اُس گوہر نایاب کے	آج تک خشک ہیں دریا کے لب

قافیہ۔ قافیے کے متعلق نظیر کے ہاں کئی صنائع ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ مترادف طرحوں میں ردیف قافیے کو ملا کر ایک کر لینا۔ جیسے کاجل نے اور آنچل نے کی طرح میں چلنے اور ٹلنے کا استعمال۔

(۲) دوسرے اس بات کا لحاظ رکھنا کہ قافیے چست ہوں۔ اکثر اُن شگفتہ زمینوں میں جن میں قافیے بست ہیں مشکل قافیوں کو اختیار کرنا۔

(۳) اکثر اُن قافیوں کو اختیار کرنا جو فقط مشکل ہی نہیں بلکہ گنتی میں بھی کم ہیں۔ جن کو ایک بند میں باندھنا گویا امیر خسرو سے بہتر املیاں بنانا ہے۔

(۴) اکثر قافیوں میں اس پہلو کو اختیار کرنا کہ سامعے پر ایک اچھا اثر پڑے۔ یعنی قافیوں میں اصول

موسیقی کی رعایت۔

(۵) اکثر متعدد قافیوں کو اپنی بندش کی تہذیب سے مہذب اور معزز بنانا۔ پہلی صنعت کوئی بہت بڑی صنعت نہیں۔ کم و بیش ہر شاعر نے اُس کا استعمال کیا ہے۔ دوسری صنعت کا بھی علیٰ ہذا یہی حال ہے۔ مگر باقی تین صنعتیں نظیر ہی کا حصہ ہیں۔ اس سے بہتر ان صنعتوں کا کسی نے آج تک استعمال نہیں کیا۔ بعض جگہ یہ اس قدر گاوزوری کر جاتا ہے کہ قافیے گنتی میں پُورے چار بھی نہیں کہ بند کو کافی ہوں مگر خواہ مخواہ اُنھی پر طبیعت آزماتا ہے۔ بعض جگہ زبردستی کے قافیے بنا لیتا ہے اور بعض جگہ ہارے درجے معمولی قافیوں سے کمی پُوری کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض بندوں میں پہلے شعر کے قافیے اَور ہیں اور دوسرے کے اَور مثلاً

چمگادڑ ابابیل کی ڈانٹیں بھی پڑی ہیں
اُلّو کے پرا اور گدھ کی اینٹیں بھی پڑی ہیں
سر کلّوں کے اور چیل کی آنتیں بھی پڑی ہیں
گوبر کی ڈلی بیٹ کی کھاتیں بھی پڑی ہیں

کیا زور ۔ الخ

موسیقی اثر قافیوں کی مثالیں نظیر کے مذاقِ موسیقی کی بحث میں بھی کچھ دی گئی ہیں اور کچھ اس بحث میں بھی ضمناً اوپر بیان ہوئی ہیں۔

جنگ نامۂ خیبر پُورے کا پورا وقت قافیہ کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ ہم یہاں صرف اُس کے ایک بند پر اکتفا کرتے ہیں۔

تھیں شاہ کی جرأت کی یہاں تک تو ترنگیں
سب کانپ گئیں قلعۂ خیبر کی النگیں
کتنے تو وہاں بھاگ گئے مار شلنگیں
اور کتنے گئے بھول وہاں آن کے جنگیں

ہر گبر کو پھر تپ سے چڑھا آن کے جاڑا

خوفِ طوالت مانع ہے ورنہ ہم ہر ایک کی مثال جُدا جُدا لکھ دیتے۔ جن صاحبوں کو تصدیق منظور ہو کُلیات کی طرف رجوع کریں۔ اکثر نظمیں میرے بیان کی کافی شہادت دیں گی۔ ایک لُطف قافیے کا یہ بھی ہے کہ شعر تمام کرنے سے پہلے قافیہ ذہن میں آجائے۔ ایسے قافیے کو بولتا ہوا قافیہ کہتے ہیں اگر یہی صنعت ردیف میں ہو تو اُس کو پُکارتی ہوئی ردیف کہیں گے۔ علی بن ہرون اِس صنعت کا موجد ہے اور اُس نے اس کو تسہیم کا خطاب دیا ہے۔ اُردو کے شُعرا میں ذوق کے ہاں یہ صنعت بہت زیادہ خوبی کے ساتھ برتی گئی ہے۔ کچھ مثالیں نظیر کے ہاں بھی موجود ہیں۔

جب سے مُوا ہے کوہکن کرتے ہیں اُس کا غم سدا	کوہ سے کوہ جو سے جو سنگ سے سنگ ہل سے سِل

صنعت لف ونشر وتقسیم وتوالیِ صفات۔ یہ تینوں صنعتیں نظیر کی اُس غزل میں موجود ہیں جس میں ایک ہی ساتھ سعدی عبدالواسع جبلی اور امیر خسرو سب کا جواب ہے۔ سعدی کی وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے۔

بربود دلم در چمنے سرو روانے	زرّیں کمرے سیم برے موے میانے

اِس میں صفتوں کی لڑی اِس تسلسل کے ساتھ پروئی گئی ہے کہ ہر جوہری کی اُس پر نظر پڑتی ہے۔ نظیر نے اِس کے مُخمسے کے زیب گلو کر کے ایک لڑی خود بھی پرو دی۔ اچھی ہے یا بُری اِس کا فیصلہ جوہر شناس کریں۔ میں یہاں صرف نقل کیے دیتا ہوں۔

کل نظر آیا چمن میں اک عجب رشکِ چمن	گُل رُخ و گُل گوں قبا و گُل عذار و گُل بدن
مہر طلعت زُہرہ پیکر مُشتری رو مہ جبیں	سیم بر سیاب طبع و سیم ساق و سیم تن

لے یہ مصرع اِنشراح کی مثال بھی پیش کرتے ہیں۔

نازنیں نازآفریں نازک بدن نازک مزاج — غنچہ لب رنگیں ادا شکرد ہاں شیریں سخن

تیر قد نشتر نگہ مژگاں سناں ابرو کماں — برق ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن

بے مروت بے وفا بے درد بے پروا اخرام — جنگ جو قتال وضع سرفراز و سر فگن

زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام — مشکِ تبت مشک چیں مشک خطا مشکِ ختن

دوش و بر دندان و لب چاروں سے یہ چاروں خجل — نسترن برگ سمن درِّ عدن لعل یمن

سختی و بے رحمی و جور و جفا سرکار کی — معتمد موصی الیہ و مستشار و موتمن

مبتلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیر — بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

لف ونشر کی یہ مثال بھی اچھی ہے۔

تمھارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے — گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی ہرا کی

ایک اور

کفوں میں انگلیوں میں لعل لب میں چشم مرگوں میں — حنا آفت ستم فندق مسی جادو فسوں کاجل

صنعتِ مکالمہ۔ نظیر کی ایک غزل صنعت سوال و جواب میں بھی ہے جس کو میں صنعتِ مکالمہ سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ ایک عمدہ صنعت ہے اور اگر وسعت کے ساتھ اس کا برتاؤ کیا جائے تو اردو کی نظم میں ایک خاص سحرِ شل لب و لہجہ پیدا ہو سکتا ہے

کہا جو ہم نے ہمیں در سے کیوں اٹھاتے ہو — کہا کہ اس لیے تم یاں جو غل مچاتے ہو

کہا لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمہ دم — کہا کہ تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو

کہا جو حال دل اپنا تو اس نے ہنس ہنس کر — کہا غلط ہیں یہ باتیں جو تم بناتے ہو

کہا جتلاتے ہو کیوں ہم کو زورِ ناز و ادا — کہا کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو
کہا کہ عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے — کہا خبر ہے ہمیں کیوں زباں پہ لاتے ہو
کہا کہ رُوٹھے ہو کیوں ہم سے کیا سبب اس کا — کہا سبب ہے یہی تم جو دل چھُپاتے ہو
کہا کہ ہم نہیں آنے کے یاں تو اُس نے **نظیر** — کہا کہ سوچو تو کیا آپ سے تم آتے ہو

گو لوگوں نے نہیں گنا مگر میرے خیال میں ایراد الامثال بھی ایک طرح کی صنعت ہے۔ یہ گویا شعبہ ہے اقتباس اور تلمیع کا۔ اقتباس میں کوئی فقرہ قرآن یا حدیث کا لیا جاتا ہے اور تضمین کیا جاتا ہے تلمیع میں غالباً فقرہ اپنا ہوتا ہے مگر زبان اَور مثلاً اُردو میں عربی فارسی کا فقرہ یا فارسی میں عربی اُردو کا فقرہ ایراد الامثال تضمین ہے ضرب المثل کی۔ اقتباس اور تلمیع کی مثالیں کچھ غزلوں میں موجود ہیں۔ کچھ انشا کی بحث میں درج ہوئیں۔ ایراد الامثال کی مثال نظیر کی کتاب الامثال سے جتنی چاہے لے لیجیے۔ تضمین میں گو ایراد الامثال تلمیع اقتباس سب داخل ہیں مگر اب زیادہ تر اس کا اطلاق اس صنعت پر ہوتا ہے اور اساتذہ کے اشعار کو قطعہ مخمس مسدس وغیرہ کے چوکھٹے میں جڑ کر دکھاتی ہے۔ اس سے نظیر کا سارا کلیات بھرا پڑا ہے۔ سب سے عمدہ مثال اس کی جوگی نامہ ہے جس میں اُستاد کے اس شعر کی نہایت رنگین تضمین ہے۔

اشتیاقے کہ بدیدارِ تو دارد دل من — دل من داند و من دانم و داند دل من

اب ہم اس بحث صنائع کو ختم کرتے ہیں مگر قبلِ ختم یہ کہہ دینا بہت ضروری ہے کہ ایسا گمان نہ ہو کہ سوا اُن صنائع کے جن کا ذکر اوپر ہوا نظیر کسی اور صنعت کا برتاؤ جانتا ہی نہ تھا۔ جتنی مثالیں اوپر دی گئی ہیں وہ اس بات کے دکھانے کو کافی ہیں کہ وہ علم معانی و بدیع میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ گو وہ اکثر اِن کا برتاؤ نہیں کرتا مگر جب کرتا ہے اُستادِ کامل و ہنرورِ ماہر نظر آتا ہے۔

صنائع جو نظیر کے کلام نہیں ہیں یہ ہیں۔

(۱) ترصیع (۲) مقلوب مستوی (۳) صنعت مہملہ (۴) صنعت منشاری (۵) صنعت رقطا (۶) صنعت راقشا (۷) صنعت مقطعات (۸) صنعت دورو (۹) ایہام ذوالوجوہ (۱۰) ایہام لسانین (۱۱) صنعت توشیح (۱۲) صنعت منقوط۔

بہتر ہو کہ اس بحث کو حسنِ خاتمہ پر جس کو حسن القطع بھی کہتے ہیں تمام کیا جاے۔ میرے خیال میں اس قدر عمدہ مثال حُسن خاتمہ کی مُشکل سے ملے گی۔

واں کوئی آیا لیے ایک مرصع پنجرا	لال دستار دوپٹا بھی ہرا جوں طوطا
اُس میں اک بیٹھی وہ مینا کہ ہو بُلبُل بھی فدا	میں نے پُوچھا یہ تمھارا ہے رہا وہ چپکا

"نکلی منقار سے مینا کی صدا "پیسے کا""

کلامِ نظیر کے عیوب

نظیر کے زمانے سے آج تک زمانے نے بہت ترقّی کی ہے۔ اور یہ بات کوئی ہماری ہی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ہر زبان میں ترقّی کی رفتار یوں ہی واقع ہوئی ہے۔ بہت سی ترکیبیں جو اُس وقت عام تھیں۔ اب بالکل معیوب ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ آتا ہے اور جاتا ہے کی جگہ اُس وقت آے ہے اور جاے ہے ہر شاعر کی زبان پر تھا۔ تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق اور غالب کے ہاں بھی اوائل میں یہ روزمرہ موجود ہے۔

(ذوق)	رخصت اے زندانِ جنوں زنجیرِ در کھڑکاے ہے	مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلاے ہے
(غالب)	سایہ میرا مجھ سے مثلِ دُود بھاگے ہے اسد	پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جاے ہے

کچھ اور مثالیں:-

(مومن)	یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکاے تھا	تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آے تھا
(شوق)	سانپ کی سی لہر اک دل پر مرے پھر جاے ہے	یاد آئے ہے جب اُس کی زلفِ بل کھائی ہوئی
(ظفر)	ٹھہرتے ہی نہیں ہیں آنچ پر سوزِ محبت کی	رکھے ہیں اس زمانے میں خواص احبابِ پارے کا
	تکے ہے زاہد شرابِ گلگوں ہوا ہی دل بھی خراب آدھا	کھلا دے ساقی بلا سے اُس کو ڈبو کے تو بھی کباب آدھا
		(منشی سید احمد دہلوی صاحب فرہنگِ آصفیہ)

اصلاحِ زبان میں اہلِ لکھنؤ کسی قدر اہلِ دہلی سے گوے سبقت لے گئے۔ جو اصلاح کہ لکھنؤ میں ناسخ ہی کے

زمانے میں شروع ہو گئی تھی اس پر اہلِ دہلی کو کہیں اب جا کے خیال ہوا ہے۔ اسی واسطے دہلی والوں کے کلام میں ابھی تک بعض الفاظ ہیں جن کو اہلِ لکھنؤ ساقط الاعتبار جانتے ہیں۔ کبھو کا لفظ میں نے شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کے کلام میں ناسخ سے لے کر شعرائے موجودہ تک نہیں دیکھا۔ حال آنکہ غالب اور ذوق دونوں کے ہاں موجود ہے۔

(ذوق)	مرے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے		مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے	

ظرفہ یہ کہ ہمارے زمانے کے فخرِ شاران مولانا نذیر احمد نے بھی بیگانہ خو ہو، تو نہ ہو کی طرح میں کبھو نہ ہو کسی موقع پر باندھ دیا ہے۔

	دولت مدارِ رونقِ باغِ جہان ہے دُنیا میں مُفلسی مرضِ لاعلاج ہے		زر ہو، بلا سے رنگ نہ ہو گل میں بو نہ ہو اِس طرح کے مریض کو صحّت کبھو نہ ہو (مولوی نذیر احمد کے لکچروں کا مجموعہ)	
	وہ نشاں جن کی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب		گہ نظر آئے اٹک پر اور ستلج پر کبھو (مجموعۂ نظم حالی صفحہ ۱۱۵)	

غالب علیہ الرحمۃ نے تو کبھو سے گزر کر ایک جگہ کسو بھی باندھ دیا ہے۔ مطلع ہے۔

	جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی		لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت میں عدو کی	

اِس غزل کا تیسرا شعر ہے۔

	کیوں ڈرتے ہو عُشاق کی بے حوصلگی سے		یاں تو کوئی سُنتا نہیں فریاد کسو کی	

کیوں کہ کیوں کر کے معنوں میں سودا میر کے ہاں تو عام ہے۔ ذوق و غالب بھی اس کو کوئی معیوب

روزمرہ نہیں جانتے۔ حالی نے بھی اس کو جائز رکھا ہے۔ تک کے لفظ پر بعض بہت زیادہ صفائی ڈھونڈھنے والے معترض ہیں۔ لیکن اہل دہلی اور اہلِ لکھنؤ دونوں کے ہاں آج تک موجود ہے۔ سو پر بھی اعتراض ہے لیکن اس نے بھی ابھی تک روزمرے کا دامن نہیں چھوڑا۔

اِصلاح ہر چند عمدہ چیز ہے لیکن بعض وقت بہت زیادہ نفاست بھی اچھی نہیں۔ گو اب دہلی اور لکھنؤ دونوں شہر کے فُصحا کے نزدیک یہ ترکیب معیوب ہی کہ جمع موصوف کے لیے صفت بھی بصیغۂ جمع ہی لائی جائے لیکن اساتذہ کے کلام میں یہ ترکیب ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ بعض مقام پہ واقع ہوئی ہے کہ اس کا بہ سبیل جواز قائم رکھنا مناسب ہی۔ (سودا)

باتیں کدھر گئیں وہ تری بھولی بھولیاں	دل لے کے بولتا ہے جواب تو یہ بولیاں

ایک صیغہ جمع مؤنّث کا ہے کھولیں۔ پڑیں۔ ملیں۔ گڑیں۔ اور دوسرا صیغہ ہے گڑیاں۔ ملیاں۔ پڑیاں۔ کھولیاں۔ میری رائے میں جوازاً اِس صیغے کو بھی قائم رکھنا تھا۔

(سودا)

ہنوز آئینہ گرد اُس غم سے اپنے مُنھ کو ملتا ہے	خُدا جانے کہ کیا کیا صُورتیں اس خاک میں گڑیاں
چُھری تلوار ہمدیگر گُل و بلبل ہیں گُلشن میں	تُمھاری سچ کہو دونوں میں کس سے انکھڑیاں لڑیاں
گُتھی نکلی ہیں لختِ دل سے تارِ اشک کی لڑیاں	یہ انکھیاں کیوں مرے جی کے گلے کی ہار ہو پڑیاں
حیرت نے اِس کو بند نہ کرنے دی پھر کبھو	آنکھیں جب آرسی نے ترے مُنھ پہ کھولیاں

(میر)

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں	طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں

عشق میں ابتدائیں سب سے پائیاں
رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں

اُس مژہ برہم زدہ نے بارہا
عاشقوں میں برچھیاں چلوائیاں

ایک بھی چشمک نہ اُس مہ کی سی کی
آنکھیں تاروں نے بہت چمکائیاں

فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا
مری آہ نے برچھیاں ماریاں

درویشوں سے تو اُن نے صدّیں نکالیاں ہیں
ادھر سے ہیں دُعائیں اُدھر سے گالیاں ہیں

جبہے سے سینے تک ہیں کیا کیا خراشِ ناخن
گویا کہ ہم نے مُنہ پر تلواریں کھالیاں ہیں

جب لگ گئے جھمکنے رخسارِ یار دونوں
تب مہر و مہ نے اپنی آنکھیں چھپالیاں ہیں

وہ دردِ دل نہیں تو کیوں دیکھتے ہی مجھ کو
پلکیں جھکالیاں ہیں آنکھیں چرالیاں ہیں

انشا۔

کچھ نگاہیں تری ایسے ہی ہنر سے لڑیاں
کہ جھڑیں نور ہی کی قرص قمر سے لڑیاں

وہ جو چلون سے کوئی شخص اُدھر جھانکے ہے
پھُرنیاں اُس کی مرے دیدۂ تر سے لڑیاں

کیوں کر نہ گُدگُداہٹ ہاتھوں میں اُس کے اُٹھے
وہ گوری گوری رانیں جس نے دبائیاں ہوں

ممکن ہے کوئی ہم سے اخفائے راز ہووے
سو بار ٹھنڈی سانسیں گو لب تک آئیاں ہوں

کیوں کر جنوں مجسّم ہو کر نہ دے دکھائی
جب شورشوں نے دل کی دھومیں مچائیاں ہوں

مر جائیے نہ کیوں کر ایسے پہ، ہووے ظالم!
جسمیں اکٹھی اتنی باتیں سمائیاں ہوں

جب ہوئیں پریاں ہوا کھانے کو کھڑیاں باغ میں
خود بخود بجنے لگیں غنچوں کی گھڑیاں باغ میں

کبھی نہ اُس رُخِ روشن پہ چھائیاں دیکھیں
گھٹائیں چاند پہ سو بار چھائیاں دیکھیں نصیر

خون سے پھر اُن کے رنگیں ہم نے گلیاں دیکھیاں	رنگ محلوں میں جنھوں نے رنگ رلیاں دیکھیاں

(ظفر)

جمع صفت کی خوش اسلوبیوں کی مثال میرے کلام سے بھی لیجیے۔

اُس آفتاب بن یاں اندھیر ہو رہا ہے	دن بھی سیاہ اپنے جوں راتیں کالیاں ہیں
چلتے ہیں یہ، تو ٹھوکر لگتی ہے میرے دل کو	چالیں ہی دل بروں کی سب سے نرالیاں ہیں

مولوی نذیر احمد نے بنات النعش میں ایک جگہ یہ فقرہ لکھا ہے۔

بعضیاں خالی پیلی بھی اتراتیاں تھیں۔ دہلی کی عورتوں کی یہ ہر وقت کی بول چال ہے۔ پھر اس کو یک قلم زبان سے خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

قاآنی جو زبان فارسی کے شعراء متاخرین میں مجدد ہو گزرا ہے اُس نے قدیم شعراء فارس کے تمام محاورے قائم رکھے ہیں۔ اور اُن کو نہایت آزادی کے ساتھ اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے خیالات وسیع ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر طرح کے خیالات نظم میں ظاہر کریں وہ کبھی اس کو پسند نہیں کر سکتے کہ خواہ مخواہ زبردستی کے قیود بڑھا کر زبان کو تنگ کیا جائے۔ غزل گوئی کے لیے شاید تھوڑی وسعت کافی ہو اور اُس میں اعلیٰ سے اعلیٰ نفاست کسی قدر نبھ سکتی ہے لیکن قصائد اور مخمس اور مسدس و دیگر اصنافِ کلام میں جن میں شاعری صرف دو مصرعوں میں محدود نہیں وسعت زبان کو نفاست کے سخت قاعدوں سے تنگ کرنے سے خیالات کی وہ روانی باقی نہیں رہتی اور لطفِ زبان ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ لکھنؤ میں گو ترکیبیں بہت چست اور صاف ہیں لیکن لطفِ زبان نہیں۔ روانیِ خیالات نہیں۔ جیسے اُن کے اخلاق اُن کی وضع اُن کی بات چیت میں تکلف بھرا ہوا ہے ویسے ہی اُن کی شاعری میں بھی۔ لکھنؤ کے مسلم الثبوت شعرا کے کلام کو

دیکھیے تو زیادہ تر فارسی کے شعرا کے خیالات کا عمدہ شستہ بے عیب ترجمہ معلوم ہوگا لیکن اُس میں لُطفِ زبان بہت کم ہوگا۔ تکلّف کے سبب زبان کے قُدرتی چوچلوں کا کہیں اُس میں پتا بھی نہ ہوگا۔ دہلی میں چوں کہ نفاست اس حد تک نہیں پہنچائی گئی ابھی تک لُطفِ زبان باقی ہے۔ اور خیالات میں وہی قُدرتی روانی پائی جاتی ہے مجھ کو لکھنؤ کے شعرا میں مصحفی اور انشا تک پسند ہیں۔ بعد اُس کے شاعری نہیں ہے ترجمہ ہے۔

نظیر کے کلام پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ عام لوگوں کے محاورات لکھتا ہے۔ یہ اکثر صورتوں میں سچ ہے لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ ان محاورات کا وہ کن موقعوں میں استعمال کرتا ہے۔ وضع الشئ فی محلہٖ ہے یا نہیں۔ جب کبھی وہ عام لوگوں سے مخاطب ہے اُنھی لوگوں کا روزمرہ لکھتا ہے۔ جب خواص کی طرف رُخ کرتا ہے اُنھی کے محاورات میں کلام کرتا ہے۔ غزلوں میں اُس کی وہ روزمرّہ نہیں ہے جو مخمّس مسدّس وغیرہ میں ہے۔ اس سے زیادہ کوئی مہمل بات نہ ہوتی کہ وہ جوگی نامہ یا جوگن نامہ مشائخ کی اصطلاح میں لکھتا۔ یا بنجارہ نامہ میں ایران کے ملک التجار کے محاورات سے کام لیتا۔ جس کو لوگ عیب بتاتے ہیں واقع میں اُس کا ایک بہت ہی بڑا ہنر ہے۔ وہ جس طبقے سے مخاطب ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کی زبان کا پورا ماہر ہے اور اُن کے خیالات میں اس طرح رنگا ہوا ہے کہ اُس وقت خاص کے لیے اُسی طبقے کا ایک شاعر ممبر معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے تو اس کا کوئی کلام اثر سے خالی نہیں جاتا۔ کنھیا جی کا جنم۔ یا اور چیزیں جو ہندوؤں اور مہاجنوں اور نانک شاہیوں کے مذاق کے مطابق لکھی ہیں اُن کو پڑھ کر کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ کسی مسلمان شاعر نے لکھا ہے۔ ایک مسلمان شاعر کے لیے ہندوؤں کے خیالات اور زبان سے اس قدر واقف ہونا شاعری نہیں کرامات ہے۔

غزل میں نظیر بہت ہی سلجھے ہوئے ہیں۔ ترکیبوں میں متانت۔ بندش میں صفائی۔ تعقید سے دور۔ زیادہ تر شستہ اور پاکیزہ الفاظ اور سامعہ نواز دلچسپ محاورے۔ عاشقانہ مضامین کے لیے سراپا موزوں۔ کہیں جو اس میں آزادوں کا لہجہ شامل کر دیتے ہیں تو وہ شوخیِ طبع کا تفنّن ہے اور خالی از لطف نہیں۔

لیلی مجنوں جو اِن کی نظموں میں نہایت مقبول نظم ہی اُس کی شیرینیِ زبان سے کس کو انکار ہو سکتا ہی- چوں کہ دل میں درد پیدا کرنے والا حسرت زدہ اور اُداس افسانہ ایک عاشقِ صادق کی محرومی کا ہی کس طرح اُس کو اُسی درد پیدا کرنے والے اُداس اور غم زدہ لہجے میں بیان کیا ہی اور کس طرح شروع سے اخیر تک، باوجودے کہ ظرافت اُس کی طبیعت کا جبلی جوہر ہی، متانت کو قائم رکھا ہی- اسی طرح جو نظم لکھی ہی اُس کے مضمون کی رعایت سے اُس کی زبان اور لہجے کا فیصلہ کیا ہی پس جو شخص اس نظر سے نظیر کے کلام کو دیکھے گا اُس کی آنکھ میں وہ اعتراض (کہ عام محاورے اُس کے کلام میں بہت ہیں) آپ سے آپ اُٹھ جائے گا-

اب شاعرانہ حیثیت سے جو اعتراضات ہوتے ہیں اُن کا جواب ملاحظہ کیجیے- ایک بڑا اعتراض تو یہ ہے کہ بعض حروف جس کا تقطیع میں گرنا اُستادوں نے ناجائز رکھا ہی مثلاً ہے- حے عین- اس قسم کے حروف اُس کے کلام میں تقطیع سے گر جاتے ہیں-

(الف) اسقاط ع -

(۱)	ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی	جیسی ہر ایک دل میں ہی اس عید کی خوشی
(۲)	کسی وقت مکتبِ عقل میں بہت علم ہم نے بھی تھا پڑھا	کہ ہر اک سے حُجّت و بحث تھی سو اُس علم کا یہ کمال تھا
(۳)	اس خواب میں مجھے اک عمارت نظر پڑی	
(۴)	ہم تو پھرتے ہیں نظیر عشق میں اب خانہ بدوش	
(۵)	کیا کیا میں کہوں اُس کی اب عیاری کا مذکور	بوسے کی طلب کی تو کہا ناز سے چل دور
(۶)	اِسی سے یاں نظیر عزت اسی سے واں شفاعت ہی	
(۷)	کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی	تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی

(۸)	گڑھ توپ سے ہلا تو پ قلعہ کیا سیسہ دار و کیا گولا		
(۹)	دیکھ عقدِ ثریا ہمیں انگور کی سوجھی	کیوں بادہ کشو ہم کو بھی کیا دور کی سوجھی	
(۱۰)	مینی اور نیتھ کا وہ عالم کہ چھٹے ل جس سے	حورِ جنی کی جھلک گوہرِ غلطان پہ پڑی	
(۱۱)	خوشی کی دھوم سے ہر گھر میں رنگ بنوائے	گلال عبیر کے بھر بھر کے تھال رکھوائے	
(۱۲)	بہار چھڑکوان کپڑوں کی جب نظر آئی	ہر عشق باز نے دل کی مراد بھر پائی	
(۱۳)	کیا غصے میں منہ اک بار سرخ عیار اچپل نے		
(۱۴)	جب منہ اجل کا دیکھا پھر کچھ بھی بن نہ آیا	یکتا شجاع بہادر صفدر ہوا تو پھر کیا	؟
(۱۵)	ہم بھی ہوا کی لہر میں پیتے نشے مئ بڑھا بڑھا	دیکھ ہمیں اس عیش سے سینہ فلک کا پھٹ گیا	
(۱۶)	کمخاب تاش مشروع تن زیب خاصہ ململ		
(۱۷)	ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا		
(۱۸)	جوڑے چمن بہار رہیں پیسے کے واسطے	گہنے مرصع کار رہیں پیسے کے واسطے	
(۱۹)	فلک پہ تاروں کی کیا کیا مرصع کاری کی	پھر ان میں زیب فزا کہکشاں نگاری کی	
(۲۰)	ہی یہ نظیر عصیاں قرین جانے ہی با صدق و یقیں	ہو گی ترے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری	
(۲۱)	کھانے کو ملا کم تو اسی کم میں رہے خوش	جس طور کہا اس نے اس عالم میں رہے خوش	
(۲۲)	ان کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیر آہ	اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں نظیر آہ	
(۲۳)	پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا	یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا	

(ب) اسقاط ح۔

(۱)	فرمایش اگر ہو کوئی تو ہم سے وہ فرماو	ہم سب طرح حاضر ہیں ذرا ہم سے نہ شرماو
(۲)	یا بالکوں میں اس طرح بیتا بیاں کروں	
(۳)	اُس نے جب گُل کی طرح ہنس دیا اور مجھ سے کہا	"مہرباں مجھ سے یہ تم پُوچھو ہو کیا، پیسے کا"
(۴)	پھر اپنے ہاتھ سے جوڑے کو چھڑ کوا ں رنگوا	کہا کہ دونوں رہو شامل حال ہولی ہیں

(ج) اسقاط ہ۔

(۱)	پی عاشقوں میں آکر دو بنگ کے پیالے	جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے
(۲)	اُس گلبدن کے دل میں چھپا ہجر کا جو خار	مکتب میں جاتی وہ جو کچھ ہوتا تھا اختیار
(۳)	کہتا ہی کوئی کسی سے ای دل رُبا ہٹیلے	ایک ہی گلابی مرکی ہاتھوں سے میرے پی لے
(۴)	میاں پھر تو جنوں کی بندھ گئیں وہاں اس قدر جا ہیں	کہ ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہوے خلقت کے اور بندھ گئیں راہیں

(د) اسقاط ر۔

جو پاسا پھینکے بنا بنا کر اور دانوں گنتی ہی دل میں ٹھانے	جو چاہتا ہی اٹھارہ آ دیں تو اُس کو پڑتے ہیں تین کانے

(الف) عین کے اسقاط کی تیئس ۲۳ مثالیں تو اوپر موجود ہیں۔ غیر کے عین کے اسقاط کی دو ایک مثالیں اور تھیں جو میں نے قصداً چھوڑ دیں۔ شاید دو چار اور رہوں۔ اِس کثرت سے اِن مثالوں کا پایا جانا سہو کاتب پر ٹوٹا لا جا نہیں سکتا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ نظیر جیسا اُستاد اِس عیب سے واقف نہ ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ نظیر جس زمانے میں تھا اُس میں عین کا اِسقاط شُعرا میں معیوب نہ تھا۔ شاید عیب نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہو کہ تقطیع میں زیادہ تر تلفظ کا خیال کیا جاتا ہی۔ اُردو میں عین کا تلفظ الف سے جُدا گانہ نہیں ہی۔

عید - علم - عمارت - عبیر وغیرہ الفاظ گو عین سے لکھے جاتے ہیں لیکن تلفظ اُن کا ایسا لم - امارت - امیر کا سا ہی - پس تلفظ کو اصل قرار دے کر قدیم شعرا اُردو نے اس کو جائز رکھا ہی -

بقرعید کو نظیر نے شاید اسی لحاظ سے بقرید لکھا ہی - بعض لوگ بکرید بھی کہتے ہیں -

قلعہ بول چال میں قلا ہی - عین کی حرکت لام کو دے کر اُس کو تلفظ سے ساقط کر دیا ہی - مثال نمبر ۱- میں وہ عالم کا دو طرح جواب دیا جاسکتا ہی - ایک تو یہ کہ عین تلفظ میں الف ہی - دوسرے وہ تلفظ میں دو ہی - چنانچہ شعرا نے دو بھی باندھا ہی - خود نظیر کہتا ہی -

خفا ہوا ان دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہی جو ہم سے وو	تو اُس کے غم میں جو ہم پر گزرتا ہی سو مت پوچھو
جو دیکھی ہیں نے وہ اُس کی خوبی مری زباں سے ہو کب ادا وو	وہ زلفیں اُس کی سیاہ پُرخم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو

نہ پہنچے سنبل نہ پہنچے ریحاں نہ پہنچے ناگن نہ پہنچے کالا

تھا ایک دن وہ دھوم کا نکلے تھا جب سوار ہو	ہر دم پکارے تھا نقیب "آگے بڑھو پیچھے رہو"

یا ایک دن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہی وو

غالب فرماتے ہیں -

	ہمیں پھر اُن سے اُمید اور اُنھیں ہماری قدر	ہماری بات ہی پوچھیں نہ وو تو کیوں کر ہو
(سودا)	اسباب جہاں کے کچھ اب پاس گو نہیں	یہ فکر تو نہیں کہ یہ ہی اور وو نہیں

پس وہ کی ہے کو تلفظاً وو سمجھنا چاہیے -

سودا کے کلام میں ہم کو اسقاطِ عین کی مثالیں مل گئی ہیں - وہ درج ذیل ہیں :-

اس عقدے کو کیجے گا ہم پر بھی صاف	کہ وضع جہاں سے ہی یہ برخلاف

گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ	نیت قطعہ تہنیت خان زماں ہی
بحیب زادیوں کا اِن دنوں ہی یہ معمول	وہ برقع سر پہ ہی جس کا قدم تلک ہی طول
گریباں چاک گرد اُس کے اک عالم	کرے تھا نوحہ و فریاد و ماتم
سودا تجھے کہتا ہوں نہ خوباں سے مِل اتنا	تو اپنا غریب عاجز و دل بیچنے والا
خرید عشق نے جس روز کی متاعِ چمن	جو نقد جاں بڑی قیمت تھے دل بیعانا تھا
سوا ہوے جب عاشق کیا پاس آب رو کا	سُنتا ہی اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا
کون سا مجھ سے حسنِ ترد دعمل میں آیا تیرے حضور	دل کو غارت کر کے میری جاں کو کیوں یغما کیا
شیخ ہی دل پہ ترے بس کہ تعین کی نشست	اِس سبب سے ہی تری ریش دراز عقل ہی پست
کہیں رکھ ناک پہ عینک مطالعہ کر کے وہ اُس کو	بدقت میتواں - الخ
کچھ سیم سٹلو[لہ] ہی نہ گادیں گی بجا ڈھول	ڈنکا ہی دمامے کا کہ یہ مصرع ہی انمول

روئی تو — الخ

سودا کا ایک شاگرد کہتا ہی۔

گزرا ہی وہ عالم میں اک اُستاد زبردست	کیا کیا کروں اوصافِ سخن اُس کے میں تحریر

پھر یہی شاگرد مصحفی کا یہ شعر نقل کرتا ہی اور مزہ یہ ہی کہ عین کے گرنے پر اعتراض بھی کرتا ہی۔

مصرع سے بصد خونِ جگر مصرع کو چسپاں	کرتے ہیں، تو پھر وہ بھی دو پلکے کی ہی تعمیر

اُردو میں اسقاطِ عین کی کچھ اور مثالیں:۔

لہ سٹلو بیہودہ عورت - بے سلیقہ عورت - پھوہڑ عورت - احمق عورت -

غافل جہاں کی دید کو تو مغتنم سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہے اس عالم کو خواب میں

(درد)

کیا جانیے کہ آج کس عاشق کی ہے اجل
کیفی ہوا ہے آب تو مرا یار بے طرح

(تاباں)

ہوا دانتوں سے ہے ضرر مرا کیا چٹ سب عشق نے گھرا
کہا کھا کے لخت جگر مرا یہ کباب کیا مزے دار ہے

(منتظر)

یوں پکار اٹھا ترے در پہ شب مجھے چور کہہ کے وہ بدلقب
ترا آج عس ترا آج عس ترا آج عس ترا آج عس

(محکم)

مرا معاف کرنا کہا اور سنا
(میر حسن)

اس عزت کا باعث ہو تم چار بھائی
لڑو یوں نہ آپس میں زنہار بھائی

(ارشد، دافع الوساوس)

گئے نہ سوئے حرم کسی دن نہ کام دیر مغاں سے رکھا
سلامتی بس اس عشق کی ہو ہمیں سے دونوں کو بندگی کی

(تسلیم)

خادم اب ان کو اک نئے کمرے میں لاتے ہیں
تعظیم اور تواضع سے لا کر بٹھاتے ہیں
اب اس کے دل سے بخل کی جڑ تک اکھڑ گئی
نیکی کی اور تواضع کی خو اس میں پڑ گئی

(ارشد۔ مرقع حکمت)

سودا کے دو اور شعروں سے ثابت ہوتا ہے کہ عین کو تلفظ کے اعتبار سے الف مانا گیا ہے۔

لے مرے دل کو دے کے اپنا دل	سنگ کے مول یہ سبکے ہو لعل

جس غزل کا یہ شعر ہی اُس کا مطلع ہی:-

کھینچ شمشیر جاو دل کے نکال	آج در پر ترے پڑا ہوں نڈھال

دوسرا شعر یہ ہی:-

جب سُنیے لولیوں سے یہ طعنے	تب تو دل بیچ ہو سکے کھسیانے

باوجودے کہ اسقاطِ عین کی اس قدر مثالیں سودا کے کلام میں موجود ہیں پھر بھی جہاں اُس نے میر کے ایک مرثیے پر مخاصمانہ نظر کی ہی وہ اس خطا سے چشم پوشی نہ کرنا عینِ صواب جانتا ہی۔ اس مخدوش مرثیے کے سوا مجھے میر کے کلام میں اسقاطِ عین کی مثالیں نہیں ملیں۔

انتخابِ نقص میں مولوی عبد الغفور خانِ نساخ نے بہت سے شعر انیس اور دبیر کے بھی نکال دیے ہیں جن میں عین تقطیع سے گر جاتا ہی۔

غلام علی آزاد نے اس اسقاطِ عین کو اپنی کتاب تذکرۂ خزانۂ عامرہ میں عاقل خاں شاہجہاں آبادی کے حالات میں بہت شد و مد کے ساتھ لکھا ہی جس کا خلاصہ یہ ہی کہ نہ فقط شعراء ہند دریں عین غوطہ کردہ اند بلکہ مردم ولایت ہم درگلا یہ ایں عین لغزیدہ ہست۔ اس کے ثبوت میں خواجہ باقر عشرت شیرازی کا یہ شعر نقل کیا ہی۔ مرا پند خردمنداں بحال خود نمی آرد + بہ ایں افسانہا مجنون عشق عاقل نمی گردد۔

مثنوی ناخدا ایک شیرازی کی میری نظر سے گزری اُس میں اکثر اشعار میں عین گر جاتا ہی۔

+ شاید انیس العارفین اُس مثنوی کا نام ہی۔ میں نے یہ مثنوی مخدومی مولوی سید محمود آزاد کے کتب خانے میں دیکھی تھی۔ ابتدائے کتاب میں ایک تقریبی قطعہ بھی خود مصنف کے قلم سے لکھا ہوا تھا۔ دیکھا تو اس مختصر قطعے میں بھی بعض جگہ عین گرتا تھا۔

شعراء فارسی کے کلام سے اسقاط عین کی کچھ اور مثالیں :

(۱) عاقل خان شاہجہاں آبادی :-

ناتوانی تختہ بندیک مقام عاقل مباش		خاک بر سر می کند در خانۂ آئینہ آب	
ای بہ نقاب عارضت شعلۂ بال نگاہ		عکس تو در آینہ یوسف مصری بہ چاہ	

(۲) ناصر علی سرہندی :-

ای رگ جان بہار این ہمہ بے رحمی چیست		خاک از مقدم تو خوں شدن عادت دارد	

(۳) غنی کشمیری :-

پیرہن گل تن گل عارض گل لب دلدار گل		باغبان صنع بستہ دستۂ زین چار گل	

(۴) ظہوری ترشیزی :-

بدستم دہ آن رشک یاقوت را		کہ سازم علاج عقل فرتوت را	ناعج

(۵) قاآنی شیرازی :-

یک روز چو بگذشت بر ہ دختر کے دید		مانند سگ عوعو زد و آہنگ قمر کرد	

(۶) صاحب :-

ترا بجدہ ہزار عالم بود در کشور حیواں -

پس جب کہ اس کثرت سے اسقاط عین کی مثالیں شعراء فارس و ہند دونوں کے ہاں موجود ہیں تو پھر اس کو عیب قرار دینے کی وجہ - اولویت اور چیز ہے اور عیب شئ آخر - اولی ہے کہ الفاظ جو جس زبان کے ہیں اسی طرح اردو میں ادا کیے جائیں لیکن اگر اور طرح بندش میں آئیں تو خواہ مخواہ معیوب نہیں کہہ سکتے ظرفہ یہ ہے

کہ خود عربی میں بہت سے اشعار میری نظر سے گزرے جن میں عین کو تقطیع میں جگہ نہیں۔ سوا اس کے کہ اس کو ہمزہ قرار دیں اور ساقط کر دیں۔

(ب) حے کے ساقط ہونے کی مثال بھی سودا کے کلام میں موجود ہے۔

دُنیا نہیں ای یار تلاش اپنی سے منظور　　　کرتا ہوں اس حُجّت کو میں اتمام جہاں پر
اور اُن کے حسنِ طلب کا ہر ایک سے یہ اُصول　　　کہ خاکِ پاک کی تسبیح ہے لیجیے جو مول

سودا کے ایک شاگرد لکھتے ہیں:-

بہتر تھا کہ دیتا کرار اد سے کی تو اپنے　　　اس شعر کے ساتھ حاشیے میں شرح بھی تحریر

(ج) اسقاطہ۔

"ایک ہی" کا جواب یہ ہے کہ یا تو ہے مخلوط ہو کر کاف کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جیسے کبھی۔ سبھی۔ ابھی وغیرہ میں یا ہی کی ہے کہیں ہے ہی کہیں ہمزہ۔

سودا کے ہاں ہے کے اسقاط کی مثال بھی موجود ہے۔

تب وہ ناچار ہو کے جب ہارا　　　کہ یہ بات ہاتھ ہاتھ پہ مارا
غرض عجب کچھ ہیں در ہائے سفتۂ حافظ　　　بر آسماں چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ

سماعِ زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیجیے یہ بھی دل اپنے میں نہ رکھیے ارمان　　　لیکن ہوتا نہیں کچھ تم سے لیا میں نے جان
پس ہمت کے نزدیک ہی کیا بھلا　　　کہ میں آور پہ ٹالوں اپنی بلا
بے کفن بے گور ہی خیمے کے اندر وہ پڑا　　　جس کی صورت تھی بلا تشبیہ پیمبر سائیاں

(انشا) رہ نصیحت نہ ہو چلو ن تو بے مجھے چھیڑنے دی
دیکھ یہ جاگہ ہی بے پردہ مری ہونٹ نہ چوس

سودا اور انشا کی سند سے اگر تسکین نہ ہوئی ہو تو حضرت نظامی کا شعر لیجیے۔

یا نبد ہیچ کس از بادہ پرستاں بیدار
یا چو من مست بُدند ہیچ کس ہشیار نہ بود

ہیچ کی تاویل تو ہو سکتی ہی کہ اپچ ہی مگر ہشیار کا کوئی جواب نہیں۔

عرفی اور قاآنی بھی تایید کو موجود ہیں:۔

پیش عرفی مدہ از دست عناں کایں استاد
خویش را ابلہ نمودہ است و لے ابلہ نیست

(عرفی شیرازی)

پند مرا بجاں شنو دل بنہ بر نہال نو
تن ببلا شو دگر فد در سر عشق یار دوں

(قاآنی)

سلام علیکم سلام علیکم
بحمد اللہ بھائی مسلماں ہیں ہم تم

(مولوی نذیر احمد لکچر منظوم)

ذکاء اللہ صاحب کے دیکھو رسائل
ہی کیا اُن کی تحقیق و تدقیق کامل

(اشہری۔ شہر لندن کا فوٹو)

ہر اک شان میں خوش نما دل رُبائی
تعالے اللہ خود زندور تیری خدائی

(ارشد۔ دافع الوساوس)

وہ عرض تو پھر ہو گی مگر یہ تو بتاؤ
بسم اللہ جو اس بزم میں آئے ہو تو آؤ

(ارشد چندہ نامہ)

جب تک ہو ویں نہ یار ہولی میں
اپنی آنکھوں میں خار ہولی ہے

(منشی سید احمد دہلوی)

وحدت کے سوا ہیچ سمجھتے تھے ہر اک شو
معنی الہ کھول دیے شکل میں لا کی

(ارشد۔ تضمینِ ارشد)

چھپر والے میں ایک تو اسقاطِ ہا ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ چھپر کو اَبر کے وزن پر پڑھیں۔

(د) اسقاط ر۔

آذر کی صورتیں مختلف تلفظ کے اعتبار سے

اُور کی رِی کے گرنے کا جواب یہ ہے کہ اُور کئی طرح سے تلفظ میں آتا ہے۔ کہیں تو اَوَر بروزن قول کہیں اُوَر بروزن زَبر باشمام ضمہ۔ کہیں باسقاطِ را بروزن ضو۔ کہیں باسقاطِ را بروزن لو۔ کہیں فقط واو مضموم۔ یہ جتنی صورتیں ہیں سب اُور کی ہیں لیکن یہ لکھا صرف دو ہی طور سے جاتا ہے۔ اور یا و۔ اس مقام میں [ل] و لکھنا تھا اگرچہ کہ تلفظ کے مطابق لکھنا اس قدر رائج اُس زمانے میں نہ تھا اس لیے تلفظ کچھ مقصود ہو مگر لکھا دی

[ل] واو عاطفہ ہندی۔

تجھ سے گالی و جھڑکیاں کھائیں
الغرض سے کیا بسر اوقات
(مسافر)

ہم جو رو جفا سنتے تھے سو آپ کو دیکھا
دیں گالیاں اور مجھ سے ہوئے آپ ہی برہم
(رنگیں)

لیے جاتے ہیں وہ جس راہ سے ہی خارستاں
نہیں تالاب و کنوئیں کا کسی منزل میں نشاں
(سودا)

کر چرخہ و پونی جو میں پیدا کروں جو نی
کھا جائے ہے یہ بھوک رکھے بیل سے دونی
بھڑوا و مسخرہ و مچھندر رہی اُن کا نام
نتھ ناک میں ڈال اور نہلا ساڑی و لہنگا
بکواؤں گی اس بھڑوے سے کوتے ہی پکڑوا

چمنِ دل میں عشق بویا تھا
داغ و شعلہ ہوا گل و بوٹا
(سودا)

گانا بڑی تعلیم بجا تا ہے بڑا اگن
بس اُڑتا ہے کانگڑہ و سارنگ شب و روز
(ارشد۔ تضمینِ ارشد)

ایک طور سے جاتا تھا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "کر" سہو کاتب ہے

اب یہاں پر کسی قدر غلط العام فصیح کے قاعدۂ کُلیہ کی بحث بھی بہت ضروری ہے۔ اوائلِ عہدِ شاعری میں تصحیحِ الفاظ کا نصاب جداگانہ تھا۔ اُس وقت زیادہ تر اِس بات پر نظر رہتی تھی کہ بول چال میں وہ الفاظ کس طرح رائج ہیں۔ مثلاً طرح کہ گو لُغتہً بسکونِ اوسط ہے لیکن بحرکتین زبان زد۔ کبھی تخفیفاً تلفظ میں ح بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ گو تسبیح بروزن تصحیح ہے لیکن تلفظ میں تسبی۔ اِسی لیے اِس کی جمع عموماً زبانوں پر تسبیاں۔ ایسے الفاظ کی نسبت شُعرا کی رائے یہ تھی کہ اگر روزمرے کے مُطابق بندھ جائے تو وہی افصح ہے لیکن اگر کوئی تصحیحِ لغت کے ساتھ باندھے تو اِس میں بھی مضائقہ نہیں۔ رفتہ رفتہ کُل جدید لذیذ کے لحاظ اور کسی قدر اظہارِ علمیت وامتیاز کے خیال نے اُن روزمرہ کے مستعمل فصیح لفظوں کو شعرا کی لفظی انجمن سے خارج کر دیا۔ اِس قسم کے غلط العام نظیر کے ہاں بہت آزادی کے ساتھ مستعمل ہیں۔ سودا کے کلام کو میں بطور سپر پیش کرتا ہوں تاکہ جتنے ناروا حملے نظیر کے کلام پر اِس خصوص میں ہوتے ہیں رد ہو جائیں۔

سودا فرماتے ہیں۔

(جواہر بفتح ہا)

اِس نصائح کی سند پھر ز کلامِ عرفی
لگے فرمانے کہ اُستاد اُنھوں کا سُن کر
کئی دین و مذہب کے ہیں یہ جواہر

لا کے وہ میرے لیے یہ ز جواہر اشعار
دیسے شعروں کو کہے تھا نہ کہا کر اشعار
کہو آپ کی جا اُنھیں تو تو جا کر

(ارشد دافع الوساوس)

مسلا مسائل کہا حضرت نے سُن کر تم ہو گُم راہ
انتظاری۔ لیکن اب دل کی بے قراری ہے

نہیں مسلہ مسائل سے کچھ آگاہ
وصل کے دن کی انتظاری ہے

ذوی الاحترام- بدہر آصف الدولہ جس کا ہی نام	سلیمان شکوہ و ذوی الاحتشام
رخش تو نبی عمِ براق است، از پا اک	میداں ہمی از چرخ کنند گاہ تنگ و دو

(قاآنی)

یگانہ- دیکھو یارو عجب زمانہ ہی	بیٹے سے باپ کیا بگانہ ہی
کہیں کمی- کھانے پینے کی کچھ نہیں ہی کہیں	پاس سے میرے تم نہ جاؤ کہیں
مورد- پوچ زباں اُن کی سے شعر تو سرزد ہوا	کاتب بیچارہ مفت لعن کا مورد ہوا
قرض- بنیے کا دیوال بند ایک قرض دار تھا	اس کے ادا کرنے میں سخت وہ ناچار تھا
بیانہ- خریدِ عشق نے جس روز کی متاعِ چمن	جو نقد جان پڑی قیمت تو دل بیانہ تھا
دوانا- جو ذکر ابد سرے ہوگا جاں نثاروں کا	کر دگے یاد مجھی کو وہ اک دوانا تھا
بگانا، دوانا- اپنے کا ہی گناہ بگانے نے کیا کیا	اس دل کو کیا کہوں کہ دوانے نے کیا کیا
اعلان نون- نہ کردہ کام دلِ دین دار و کافر سے (دین دار)	کہ پہنچے تا بدرِ کعبہ و کنشت شکست
فی الحقیقۃ میں- کہتے ہیں تسلیم جسے تھا فی الحقیقۃ میرا لعل	ہو گیا ہی رشک سے تجھ لب کے رنگ اُس کا کبود
ہم جم- ہی مسلّم حسنِ مہ ہر چند پیش کائنات (ہم جنب)	گر تری ہم جم ہو بیٹھے تو ہی پہلو کا عذود
خوامخواہ- اسی سے واعظِ احمق کو پست فطرت جان (خواہ مخواہ)	ہوا ہی چڑھ کے یہ منبر پہ خوامخواہ بلند
اصل السوس- چوبِ اصل السوس[۱] و پرِ سیاوشاں مل کر	جوں تیر نہ چلنے میں کرے دیر ہوا پر
جدی- دامِ الفت کے اسیروں کی جدی ہی پرواز	کہیں اڑتے ہیں ترے بال کہیں میرے پر

ناسخ

۱؎ سفالِ مرزمین فلفل بھلا ہو دفع کس ڈھب سے ۔ سپستاں ہی نہ زوفا ہی نہ اصل السوس شیشے میں۔

غلط العام	لب و لہجہ ترا سا ہی یہ کن خوبان عالم مین	یہ غلط العام ہی جگ میں کہ سب ہی کی ہیں ٹو یلا
ہم شہری	شوقِ زبان تک اپنے ہم شہریون کو بھولا	نامہ جو اُس کو پہنچا اُن بے مروتون سے
	کھولا اُسے تو ہرگز اک لفظ بھی نہ سمجھا	قاصد سے پوچھے معنی رو رو اشارتون سے
آمان	امن و آمان سے گزرے بجہان عالم کو	دلون کو چاہیے آرام ہو جانون کو چین
مطالا = مطالعہ	اگر اک ورق اسکا ہاتھ مین جا مولوی کے دو	کہیں رکھ ناک پر عینک مطالعہ کرکے وہ اُس کو
مَرَض - مَرْض	یہی مَرَض الموت تھا قسمت میں میری نصیب	حاصل اس تدبیر سے کیا کرنے مین ملتا حبیب

ترکیبِ فارسی و ہندی:-

غرض جب بات چلنے ہی پہ ٹھہری	نماز ظہر پڑھ وقت سپہری
بنا دین سبحہ جو اُتنے ہی لے کے مروارید	کبھو تمام نہووے وہ ڈورہ تسبیح
عالم تمھارے بیچ میں آوے گا آج جاں	تم نے سجا ہی چہرہ بل دار بے طرح

(تاباں)

تحریک ساکن کی مثالیں:-

قبر بفتحتین

تری در پہ ہم آکے پڑے ہیں صنم نہ سفر کے رہے نہ وطن کے ہوے

ترے ہجر میں بانیٔ ظلم و ستم نہ قبر کے رہے نہ کفن کے ہوے

(محکم)

 (معروف) غلط العام فصیح ہی جہان میں حرف زد + غلطی کیا ہی ان اشعار کے ناخوانون مین -

عمرو متحرک الاوسط

ایک کوڑی کو نہ لیجے جو فروشندہ کہے	ہے کاؤ کوئی زنبیل عمر لیتا ہے
زنبیل ہے عمر کی دل فکر خیز یہ	اس کو کسی طرح سے نہ زنہار توڑیے

(انشا)

دُر معنی سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی	غم گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنبیل

(غالب)

عمرو ساکن الاوسط۔

آدھ سیر آٹے کا خدا ہے کفیل	پیٹ اس کا ہے عمرو کی زنبیل

(سودا)

خضر بفتح ثانی

صد مرتبہ گردد بترا از زہر ہلاہل	گر ز آنکہ فتد عکس تو در آب خضر بر

(قاآنی)

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار	اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

(حالی)

شمر بفتح ثانی۔

دل ایسے شخص کو مومن نے دیدیا کہ وہ ہے	محب حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا

(مومن)

نذر = نذر - میران وہ خاصے گھی کے تر گلگلے تلون ہین
بھینسا تو ایک کیا ہی دیوی نذر کرون مین

قالبوت = کالبد - میران سے اس کی جورو تب کہنے لگی رو رو
جو قالبوت تم سے پیرون کا بن رہا ہو

کھووے تمہاری آگے یون اس کی آبرو کو
جو تم مین کچھ کرشمہ ہووے تو یہ سزا دو

آنکھوں سے ہووے اندھا کوڑھی ہو اس کی کایا

ضاحک کے پیچھے بلچا اِس طرح ہو کے مبہوت
سوجھا نہ آنکھون آگے یہ ... ہی کہ ہی ...

سابوت = ثابت - ایسی بنا کے ماری ذرہ رہی نہ سابوت

طُفانی = طوفانی - کہنے لگی کہ میران بھڑوا ہی یہ طوفانی

حلوا خاتون - یوں بھی نہ ہو اس سے تو مین بات اور بتا دون
دو چیتھڑے رنگ کر حلوا خاتون بنا دون

〃 - رنگ چھاپ اسی دو حلوا خاتون مین دون گی
کہتا پھرے بھڑوا جنیا لال لمون گی

حلوا خاتون - ان باتوں سے ہوئے گی نہیں پیٹ کو سیری
لے کر حلوا خاتون کرے شہر مین پھیری

طسبح خاموش کر اے سودا تیری طسبح ہی عالی
موقوف کر زبان سے یہ گفت گو رذالی

مباف = موباف - اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھول کر مباف
مشکیں اُنھون کی جڑ کے کہا کیجیے معاف

اصطبل = جو اصطبل مین کئی کھوڑے ہیں سو کیا امکان
کہ ہووی گھاس کے پٹھے کا اُن کے آگے نشان

اصطبل - بدمین یہ کہ اصطبل ادھر کرے ہزار

دسخطی = دستخطی - اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دسخطی کو پھاڑ کرکے پنساری

کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کنول

لاحول - یہ آگے اور چلیین کو کے زیرِ لب لاحول
(جنہم جاکیون کہ تول بول ردل کا قافیہ ہی)

جہاں آباد	جہان آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا	
علما۔	اوران کشمیریون مین جو کہ اب علمای دین ہین گے	سمجھتے ہین وہ اپنے تئیں جو کچھ ہین گے ہمین ہین گے
خدع: مکر	خدع سے پھر گریے کرتے ہین گے گریۂ و زاری	
کسب۔	اب یہ کہ تو کہ ہم کہاں جاوین	جو بتا دے کسب سو کر کھا دین
	نہین ہرگز سمجھتے حق کو یہ مرغوب ناحق ہین	ہراک پیشے کسب مین خوب ماہر اور فائق ہین
مسلے۔	گدھی کا . . نا مسلے مین تلاتے ہین جلت ہی	
بچارا۔	بہت سید بچاری یہ انھین تلقین کرتے ہین	
قرم ساق	تب یہ کہتا ہی کیا وہ قرم ساق	دون امی خندی تجھے اگر مین طلاق
خصم۔	یون ہزارون سے جورو کیون نہ . . .	لیکن اس سے خصم نہ ہاتھ اٹھاے
غیور تبشدید یا		
	یعنی نواب سلیمان فرو نام آصف جاہ	عہد مین جس کے یہ غیور بزرگ دکو چک
منہیات بر وزن خطرناک		
	دور مین اس کے ہی یان تک تو منہیات ذلیل	کش کمش می یہ نت اٹھ تنگ سدا زیر کتک
	حکم صلاح سے ترے اے صالح جہان	عرصہ اب اس قدر وہ منہیات پہ ہی تنگ
	ہی کش کمش شراب کو جب کیجیے نظر	جس وقت دیکھیے تو ہی خشکون کے نیچے تنگ
مباحت بمعنے اباحت۔		
	بعیش گاہ جہان خوش ہو خرمی نے آج	کیے بدل بمباحت منہاہی کے احکام (سودا)

اغلاط میسر:—

قُران بروزن گمان۔

مت مانیو کہ ہوگا یہ بے درد اہل دیں ۔۔۔ گرآوے شیخ پہن کے جامہ قران کا

مساہلہ بکسر ہا۔

ہوا ہوں خاک پہ دل کی وہی ہے ناصافی ۔۔۔ ابھی اس آئنے کی کرنی ہی جِلا مجھ کو

مگر کہ مردنِ دشوار میں سہل ہے شوخ ۔۔۔ ہلاک کرتا ہے تیرا مساہلہ مجھ کو

مسیت بمعنی مسجد۔

عجب نہیں ہے نجانے جو میرچاہ کی ریت ۔۔۔ سُنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کے میت

مت ان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو ۔۔۔ کہ ایک انیٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت

عیب اکفا۔

اُسی بن میں رہنا اُسی بن میں راہ ۔۔۔ وہیں شام کا حسن لطف نگاہ

اُسی بن میں وہ جھیل گہری بہت ۔۔۔ ہوئے صید بری و بحری بہت

اتنی مضبوط سپر کے بعد اب ہمیں نظیر کے غلط العام سے کچھ ڈر نہیں۔ عام نہیں بطور خاص ملاحظہ ہو

دِوار۔ وہ گردیوار کو دیں ہم کو ٹھا پھاند جاویں

دوال۔ اُچھلیں دوال پاکھے اور پھاندیں چارپائی

اَعصا۔ کل مجھے دریا اُپر خواجہ خضر جو مل گئے ۔۔۔ سبز پیراہن گلے میں ہاتھ میں اَعصا لیے [۵۱]

۵۱۔ میر حسن۔ لیے سونے روپے کے عاصے تمام۔

محلات۔	یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات	
اَشرفی۔	پیسے روپے اَشرفی یا سیم و زر کا پترا	
مُسوّدا۔	مت چھوڑ قلم جان لکھے جا تو مُسوّدا	
افیم، افیمی	کھا کر افیم ظالم مت ہو جیو افیمی	
داستانہ۔	داستانہ ہاتھ میں اور پشت کے اوپر سپر	
نصیبا۔	ایسے طالع ایسی قسمت یہ نصیبا کوئی پائے	
خلدِ عدن	اُنھی کے واسطے خلدِ عدن ہے	

سند:۔

	از یک سخن ردان دو لبش دادہ صد شکست	تسنیم و کوثر و عدن و سلسبیل را

(قاآنی - پریشاں صفحہ ۳۳)

	حضرت زہرا تری آناں نے کیا یہ ماجرا کیا عدن میں جا کسی حور و ملک نے نہیں کہا	پیاس سے مرنے کا فرزندوں کے مطلق نہیں سنا اب تلک آئی نہیں زہرائے اطہر سائیاں

(سودا)

سُبکی۔	جو لے سُبکی سے نام مرتضیٰ کو	
گُمزی۔	گرد اُس کے گمزیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند	
جنگل۔	کیا ابر و ہوا کوہ جنگل ارض و سموات	

سند اسقاط نون۔

کہیں بن زنجیر اُسے گھر نہیں	ذری چین شام و سحر نہیں

خنجر سن اس کو گلے شہ کے تک لہو رو دیا

کٹے گوشوارے سکینہ کے	خنجرِ جفا سے سکینہ کے
رنگ کھیلنے کا شادی کے دکھایہ عجب طور	جز خون کی چھینٹوں کے نہ تھا کپڑوں پہ کچھ اور

(سودا)

دوانہ - پھرے دوانہ سا ہر طرف وہ اسی کی چاہت میں ہوش کھو دی۔

ہیولے -	آباد ہیں چھپر کھٹ ماچی پلنگ کھٹولے	دلبر کہیں بغل میں امرد کہیں ہیولے
چغد -	گدا اور چغد دہاڑے اور پھڑ پھڑائے الّو	
قرض -	کہیں ہیں ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک بار	جو خالی آتے ہیں وہ قرض لیتے جاتے ہیں
فند -	موت آن لتا رہی گی آخر کچھ مکر کر دیا فند کرو	بس خوب تماشا دیکھ چکے اب آنکھیں اپنی بند کرو
بگانہ -	اس میں ہی دشمن اس میں ہی اپنے بگانے ہیں	
مُتصدی	اِس میں وکیل بخشی و مُتصدی اور امیر	
نفع -	ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہی بن بن	
زہر -	ترکاری ساگ پات زہر امرت اور دوا	
بوقلموں -	گھڑی بھر بیٹھ کے ہم پاس کرو عیش بوقلموں	
شہرپناہ -	ٹوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہرپناہ	

تسبی -	یاں حبۂ تسبی دور ہوے واں ساغر شیشے چور ہوے	
حسنین -	تو پھر حسنین کے صدقے سے اُن کو ہم بھی ان دیکھیں	
اشتر -	جو مانگا اک شتر اُس کو دلایے سیکڑوں اشتر	
صلوات	صلوات پڑھ کے یہ بھی سُناتا ہی تب نظیر	
قران -	پڑھتے ہیں آدمی ہی قران اور نمازیاں	

سند:-

	مت مانیو کہ ہو گا یہ بے درد اہل دیں	گر آدے شیخ پہن کے جامہ قران کا

(میرا)

اسی طور پر حضرت امیر خسرو نے بھی باندھا ہی مگر شعر اسوقت یاد نہیں ہی-

چرپائی -	چرپائی بیچ کھائی اور بان کو جلا کر	روٹی پکائی رو رو اور کھائی آہ بھر بھر
قسم -	لیلی کی شکل پھرتی تھی آنکھوں میں ہر قسم	
عجوبہ -	انسان عجوبہ ہیں تو حیوان تماشا	
صحن -	باغ میں گھر میں صحن میں پیڑ سبزی کے لگا	
صرف	صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہی بیوپار	انھوں نے کھایا ہی اس دن کے واسطے ادھار
ذبح -	بے جرم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہی	اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہی
قطرجات	اُس کے عرق سے جسم کے یہ قطر جات ہی	اور اُس کی اُس کے فضل سے یارو نجات ہی

سند:-

	زصو بجات بگردوں شود ز فیر نفیر	ز دیرجات بگردوں رود ز غریو غمران (قاآنی)

چدر- ماں نیچے ایک میلی چدرا اوڑھے جاتی ہو

مزدور- ڈھاتے تھے واں مزور تو تن کی محل سرا | پر گھر بنا رہے تھے دو ایس اٹھا اٹھا

غربا- اور سب غریب غربا دل شاد اپنے گھر میں

یہی چند اعتراضات سخت تھے جن کا جواب کافی طور پر دیا گیا-

زبان کے تبدّل کے سبب اُس وقت کے اور بہت سے مُحاورے ہیں- جو ہم لوگوں کو معیوب معلوم ہوتے ہیں- جیسے علامت اضافت[۵۱] اور علامت فاعل کا حذف کرنا- بہت سے الفاظ ہیں جو اب متروک ہو گئے ہیں- مثلاً اب تئیں معنے میں اب تک کے- کب تئیں معنی میں کب تک کے- ماٹی معنی میں مٹی کے- لاگا- معنے میں لگا کے- ایدھر[۵۲]- اُدھر- جاگہ یعنی جگہ- نین= آنکھ- سجن= معشوق- برہن= جدائی کی ماری- برہ= فراق- ہیگا= ہے ندان= آخر کار- کرکر= کر کے- اُنھوں کے تئیں= اُن کے تئیں- نت= ہمیشہ- اُپر= اوپر- گر (ماضی جانا) قافیہ شروع- رُیا= رویا- سین= نین- بٹ مار= راہ زن- ہستی= ہاتھی- سیتی= سے- کوئی ہموزن گی- گئی ہموزن گی-

۵۱- اس برابر-

۵۲ (انشا)- دنیا ادھر کی گو اُدھر ہو جائے + بڈھے خبے کی کس طرح خو جائے

کھوئے= کہے۔ رہوے= رہے۔ ٹک معنی میں ذرا کے۔ تنک= ذرا کے۔ کنے= کے ہاں۔ پھیر= پھر۔

یہ الفاظ سودا اور میر کے ہاں بھی موجود ہیں۔ نظیر چوں کہ میر کے معاصر ہیں اس لیے ان کے کلام میں اس قسم کے الفاظ کا ہونا کوئی امر ان کے مرتبہ شاعری کا گھٹانے والا نہیں ہو سکتا۔

ک۵ کہوے۔ اس شاہ کے اگر لب و دندان کی صفا + کہوے کوئی کہ لعل و گہر ہیں یہ بے بہا۔ الخ

رہوے۔ تا ابد رہوے یہاں بھی اور وہاں + حرف رسم خط کتابت درمیاں +

یہ محاورہ ذوق اور ناسخ کے ہاں بھی موجود ہے۔

آج اُن سے مدعی کچھ مدعا کہنے کو ہیں + پر نہیں معلوم کیا کہویں گے کیا کہنے کو ہیں۔

(ذوق)

بوسے کا سائل ہوں کیوں مجھ کو نہ کہوے دور دور + قدر کیا محتاج کی حاجت روا کے سامنے۔

(ناسخ)

نظیر کا باغ

باغ سے میری مراد یہ نہیں کہ نظیر کوئی بڑے آدمی تھے۔ واقعی اُنھوں نے نوابوں اور امیروں کی طرح کوئی بڑا سا باغ لگایا تھا۔ اور اُس میں اہتمام کرکے ہر جگہ سے درخت منگائے تھے۔

بہار کے دنوں میں ہر روش مہک جاتی ہی۔ اور پھل کے زمانے میں ہر شاخ پھلوں سے لد جاتی ہی۔ شعرا گو بڑے آدمی نہ ہوں لیکن خدا کی طرف سے اُن کو لطف انگیزی کی وہ آنکھیں ملی ہوئی ہوتی ہیں کہ باغ لگائے کوئی مگر واقع میں اُس کے مالک یہی ہیں۔ لگانے والوں کو ایک مالی یا باغبان سے زیادہ رتبہ نہیں۔ شعرا کا باغ اُن کے صحنِ خیال میں ہوتا ہی۔ جس کی وسعت ہر باغ سے زیادہ ہی۔ وہ اپنے مذاق اور پسند کے مطابق روز ہر تھالے میں ایک تازہ پودا لگاتے ہیں اور ہر روش پہ ایک نیا گُل کھلاتے ہیں۔ آرایش روز بہ روز ترقی کرتی جاتی ہی اور رونق دن پہ دن بڑھتی نظر آتی ہی۔

اس مضمون کو ہمارے مکرّم مولوی سید محمود جہانگیر نگری نے اپنے قصیدۂ معراج الخیال کے آغاز کے چند شعروں میں کس خوبی سے ادا کیا ہی۔

دلم گلچینِ اسرار و خیالِ من گلستانش
فضاے ہر دو عالم گوشۂ از کُنجِ خیابانش

خوشا باغی کہ طبعش باغباں فکرش صبا آمد
قلم گلدستہ بند و صفحۂ قرطاس گلدانش

خوشا باغی کہ رشکِ خلد شد دامانِ آگاہی
ز رنگیں جلوہ ہای دل کشِ گُلہای الوانش

تعالیٰ اللہ چہ باغ ست ایں کہ ریزد گوہرِ مضموں
بجیبِ گوشِ عقل آواز مُرغانِ خوش الحانش

تعالی اللہ چہ باغ ہست ایں کہ میوہ ازان معنی را — ضمان مستی جاوید آمد بوے ریحانش
زہی باغی کہ ماند تا قیامت تازہ گلہاشن — نہ آں باغی کہ در یک ہفتہ ریزد برگ ریحانش
زہی باغی کہ رہ بنود درو باد خزانی را — چہ در آردی چہ در بہمن ببینی تازہ یکسانش
زہی باغی کہ نازک نکتہ ہوش و خرد افزا — فزوں از خضر منقوش ہست بر اوراق و اغصانش
زہی باغی کہ معنیہای رنگیں ست گلہایش — زہی باغی کہ چوں من بلبلے باشد غزل خوانش

نظیر کا مذاق اس خیالی باغبانی میں امتیاز کی خصوصیت رکھتا ہی۔ اُس نے طبیعت کے ہرے بھرے باغ میں کوئی اچھا اور عمدہ پودا نہیں چھوڑا۔ جو پیڑ اُسکو پسند آیا ہی تیزی نظر کے قلم تراش سے اُس نے اُس کی قلم کاٹ کر ضرور اپنے جاوید بہار باغ میں لگائی ہی۔ اسی سے اس کا باغ خیالی نہایت گھنا نظر آتا ہی۔ اس نے اپنے اس باغ کی ایک سچی اور اچھی تصویر بھی ہم لوگوں کی تفریح کے منظر پر کھینچ کر لگائی ہی۔ جس میں رنگ اس عمدگی سے بھرا ہی اور روشنی اور سایہ اس خوبی سے دکھایا ہی کہ کہیں تو ٹھنڈی چھاؤں دیکھ کر نظاری کو راحت کی نیند آتی ہی کہیں دھوپ کی جھلک دیکھ کر آنکھوں کو نور سرور حاصل ہوتا ہی۔

آؤ کچھ دیر کے لیے ان کے اس پر بہار باغ میں گل چینی کریں اور تازہ پھولوں کا گلدستہ بنا کر انتخاب کے گل دان کو زینت دیں۔

دیکھو یہ پھولوں کا تختہ کس قدر مہک رہا ہی۔

بیان بہار آمد
صفحہ ۵۵

شب کو چمن میں واہ واہ کیا ہی بہار تھی مچی — پھول کھلے تھے پھول پھول غنچے کھلے کلی کلی
بیلا چمیلی رائ بیل موتیا جوہی سیوتی — بادِ صبا بھی چلتی تھی عطر و گلاب میں بسی
رات تو کیا ہی عیش کی ٹھہری تھی آکے انجمن — تاری کھلے تھے مہ رتن پھول کھلے چمن چمن

نرگس و ہار و یاسمن سوسن و طرّی نسترن — کبک تدرو خندہ زن بلبل و قمری نعرہ زن

اس تختے سے تو یہ پھول ہاتھ آئے۔ بیلا۔ چنبیلی۔ رای بیل۔ موتیا۔ جوہی۔ سیوتی۔ نرگس۔ ہار سنگار۔ یاسمن۔ سوسن۔ طرّہ۔ نسترن۔ اب آگے چلیے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دل کشا — آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا — ہلتی ہیں ڈالیاں بھی ہر گل ہے جھولتا

کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سروِ سہی کھڑے ہیں قرینے سے سبز تن — کوکو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن — گلنار لالہ و گُل و نسرین و نسترن

فوّارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

یہ کئی نئے پھول اس تختے میں بھی ہیں۔

گلنار۔ لالہ۔ نسریں۔

پھل پات کہیں شاخ کہیں پھول کہیں بیل — نرگس کہیں سوسن کہیں بیلا کہیں رابیل

دید بازی صفحہ ۲۵۸

یہاں پھر پھولوں کا تختہ ملا۔

بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن — داؤدی جوہی لالہ و رابیل و یاسمن
جتنے جہاں میں پھولی ہے پھولوں کی انجمن — یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن

موتیا ہے چنبیلی بیلا ہے — ہر سطر اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ

[illegible]

ای گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

(نول کشوری صفحہ ۹۳)

داؤدی اور گلاب دو نئے پھول ہیں۔

نسرین و موتیا و سن بھی تجھی میں ہے۔ (نول کشوری صفحہ ۹۲)

کوئی نیا پھول نہیں۔ آگے چلیے۔

کیا قمری دل سوختہ کیا بلبل نالاں
سب مل کے یہی بات پکاری ہیں کہ اک آں

کیا باغ چمن تختہ کا کیا زیر خیاباں
گل بھی وہی سنبل وہی نرگس وہی ریحاں

اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا

(خمسہ بر غزل اصغر صفحہ ۱۱۲-نول کشوری)

اس میں سنبل اور ریحاں دو نئی چیزیں ہیں۔
وہ دیکھیے میاں نظیر آپ بیٹھے باغ میں میوے کھلا رہے ہیں۔

میوے ہیں جتنے خشک و تر اس باغ میں لگے
خربوزے آم جامن و لیمو چکوترے

بادام پستے داکھ چھہارے و کھوپرے
نارنگی و انار بہی کوبے سنگترے

سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

بلدیو جی کے میلے میں میاں نظیر ایک ڈالی میووں کی لیے کولے نارنگی سنگترے کھٹے کر رہے ہیں۔

(صفحہ ۱۷۹-نول کشوری)

پھر ایک کاچھن کے پاس بیٹھے یوں بیر چُن رہے ہیں۔

کوئی کاچھن کے چُن رہا ہی بیر

میلوں میں اکثر اپنے باغ کا میوہ بیچتے نظر آتے ہیں۔

میلوں میں آم جامن سیب و انار بیچے

یہ میوہ دار درخت تو ہندی شان سے لگے ہیں۔اب باغ کی آرایش ولایتی مذاق سے ملاحظہ ہو۔ اور دیکھیے کہ اس میں کس خُوبی سے پھل لگے ہیں۔

پہلے امرود اور انگور لیجیے۔ محبوبے امرود طلب کرد۔ انگور آوردم۔گفت دلت مے خواست۔گفتم چہ کنم نگاہم تشبیہ پیراست ؎ ازیں معنی بخندید او بہ طرزے ✦ کز و گردد خجل عقدِ ثریا ✦

(طرز تقریر ۱۹)

سیب۔بہی۔شفتالو۔فالسہ۔سنگترہ۔ ملاحظہ کیجیے

نزد نازنینے کہ ذقنش چناں دل آسیب کہ روے بہی نہ بیند ولبش آں قدر خاطر فریب کہ ہوس بوسۂ آں بہزار شفتالو نہ نشیند نشستہ بودم۔پند میوہ درمیاں آمد۔گفت دلم رافالسہ وسنگترہ خوش مے آید۔ گفتم دلم نیز مے رباید۔گفت چرا۔گفتم بہ تشبیہ لب نزاکت گرا۔چوں آں دل بر تبسم برلب آورد۔دلِ من نیز فرحت یاب گردید۔

(طرز تقریر ۲۰)

شریفے کو ذائقہ فرمائیے۔

شوخے لطیفہ پرداز شریفہ طلبید۔چوں پیش رسید۔گفتم شریف ترگردید۔گفت دلت بکفایت دوید۔

گفتم جائی کہ بہتر وزرد و تر رسد مشرف باید گردید- وحصول دو فرحت باید گردانید- یکے شریفہ و دیگر لطیفہ- عنایت کرد وگفت دلت خوش گردید- گفتم وقتی کہ از دستِ ناز خواہد رسید ~ چوں ز دستِ نازنیم آمد بدست گفتم اکنوں خاطرِ من شاد شد +

(طرز تقریر ۲۳)

جامن نوش کیجیے-

نزد نازنینی رفتم- وگفتم جامن خوب تر آمدہ است ~ چہ گویم بے تکلف طرفہ جامن + تواں کردن بیانش تا کجا من + گفت بہ ومن خوش دارم- رفتم وزرد و آوردم- قدری بمن داد وگفت دیگر- گفتم ہمیں ایں جامن- چوں خود تناول ساخت دو بستہ تخمش بر من انداخت- خوش وقت شدم وگفتم ~ ازیں جامن ہمینم آرزو بود + ز لطفِ نازنین خوباں بر آمد +

(طرز تقریر ۲۴)

ہر چند آگرے کے آم بہت اچھے نہیں مگر میاں نظیر کے باغ کے ہیں-

مضایقہ نباشد-

در فصل انبہ کہ پسند خاطر خاص و عام ہست وشہد وشکر بے قدر ی الیام پیش نازنینے رفتم- گفتم انبہ ذائقہ قریب دیدہ آمدہ ام- گفت چرا نیاوردی- گفتم اکنوں چہ درنگ- مگر رنج اناں نزاکت شامل نشود- تبسم کرد وگفت خوب- رفتم وزرد و آوردم- گفت چہ قسم ہست- گفتم ہمہ تبرشی درشت- گفت اگر بر آید- گفتم یک مشت- سرخ- سرخ روئی پسند وسرسبزی نگاہ نیاز مند- وزرد ہم ایں کہ بخورند و روی گرفتنم زرد نکنند- ہنگام تناول ہماں قسم- گفت ہر چہ ازیں خوش آید باید گرفت- شیرہ گرفتہ گرفتم- گفت چرا- گفتم با طاعت

حکم ہمیں خوش آمد۔ بخندید۔ زیادہ مسرور شدم و گفتم ؎ لذتِ انبہ خوردن ایں طور + پیش من ہ ازیں نمی باشد +

(طرز تقریر ۲۸)

اُس میوے کو ملاحظہ کیجیے جس کی شان میں ہے ؎ انجیر نام ست ہر میوۂ۔ جنت کے فواکہ سے ہے۔

پیش محبوبے رفتم۔ دیدم کہ انجیر نہادہ است و زلف گرہ گیر کشادہ۔ بقدر تفاوت نشستم گفت اگر دل پذیر چندے ازیں بگیر۔ دانستم بعزم تسخیر گفتم کجا ایں توقیر۔ اگر لطف ہست ہمیں جا عنایت تاثیر۔ گفت ایں چہ تقریر گفتم از دور انجیر و نزدیک زنجیر۔ ترک انجیر از بیم زنجیر۔ خوش تدبیر۔ گفت چناں۔ گفتم ؎ صیدم دار د صیاد فسوں مے خواند + ہر کسے مصلحتِ خویش نکو مے داند۔

(طرز تقریر ۲۹)

بلدیوجی کے میلے میں کاچھن کے ٹوکرے کے بیر تو کھا چکے ہیں۔ ایک بیر اور کھائیے گو ترش ہے مگر ترشی مزے کی ہے۔

از شوخی شکر لب اُلفت دست داد چوں مجال بوسہ نداشتم۔ آرزوے دشنام مے کردم۔ از شوخی نے داد۔ حصول آں بے حیلہ ندانستم۔ روزی کنار ترشے ہمکنار پیش او بردم و گفتم بسیار شیریں است۔ چوں آشنای دنداں کرد دشنام داد مسرور شدم۔ گفت چرا گفتم مراد من ہمیں بود گفت ؎ قدر دشنام از لبِ خوباں + دل مشتاق باز مے داند + گفتم ہمیں طور تبسم کرد۔ (؎ ایں تبسم برائے آں کہ فریب + یاد دارد ز دل فریب بتاں + نسخۂ اولے)

(طرز تقریر ۳۰)

بلدیوجی کے میلے کے سنگترے بھی دیکھ چکے۔ اب نازنینوں کے بزم کے سنگترے سے لطف اُٹھاؤ۔

پیش نازنینی گلعذار سنگترہ نہادہ بود۔ گفتم در باغ چنیں خوبی و دل فریبی کجا۔ گفت آخر آں ایں۔ گفتم ہمیں کہ یک دو ازیں دست نگارین جانب من بغلطانند۔ گفت نامش بسنگ شرکت داد۔ گفتم سنگے کہ بر لعل خجلت آرد۔ گفت چساں۔ گفتم بہ لطفِ دو چنداں۔ گفت آخر سنگ۔ گفتم آرزوی دیوانہ رنگ۔ تبسم نمود و ہمچناں کرد
؎ نمودم قدِ خود چوگاں بہ تسلیم ✣ چناں کز مثل خود ہا گوی بُردم ✣

(طرزِ تقریر ۳۲)

لیجیے سیب کھائیے۔

نزد نازنینی سیمیں ذقن رفتم و گفتم سیب خوش رسیدہ است۔ گفت بیار۔ گفتم اگر دستم بہ سیب رسد۔ گفت بے آسیب نخواہد رسید۔ گفتم اگر باغباں نداند۔ گفت پاسبانِ زلف اسیر گرداند برائے آں کہ دیدن و چیدن تفاوت دارد۔ گفتم چساں۔ گفت در دیدن بہی و در چیدن الٰہی۔ آوردم۔ ہنگام تناول پسند ساخت و دہانم را نیز معزز فرمود۔ مسرور شدم و گفتم ؎ خوردن سیب از چنیں خوبی ✣ غیر لطفِ بتاں نہ می باشد ✣

(طرزِ تقریر ۳۳)

جی چاہے تو گنا بھی حاضر ہے۔

ای کرم فرمای من پیوستہ شیریں کاریت ✣ باد فرحت بخش یاراں چوں شکر گفتاریت ✣ بستۂ نیشکر عذوبت سرشت نقد حلاوت در گرہ کمر بہ دل کشائے بستہ رسم شکر ریزی نہاد۔ ہزار فرحت و مسرت دست داد۔ لب و دنداں بجواز گردانی استلذاذ اشتغال ورزید۔ و دہان از عرق دل جوے آں سبوے خود پُر گرداند۔ زبان بحصول تمنا عذب البیان۔ و کام بکام خود رطب اللساں۔ و قدرش از قند بایہ پرسید۔ و مقدارش از نبات باید دریافت۔ پارۂ صفا پذیرفتہ ہمن کار۔ دریزۂ عرق گرفتہ نسترن زار۔

ﻫ بتوصیف این تحفۂ شکریں + نئے کلک من پُر از انگبیں

(قدر متیں ۶)

پیوندی بیر ایسے نہ کھائے ہوں گے۔

ﻫ کنار دولت عشرت آباد باد + دلم خوش نمودی دولت شاد باد + پیوندی کنار خوش گوار رسید۔ ذائقہ بحلاوت سیب و انار ہمکنار گردانید۔ نزاکت بیر یا در پوست چناں کہ باتصال سبقت دست تصور در ہراس خراشیدن۔ و بسیار سے مغز چنداں کہ تخم در اندیشۂ بشمار نرسیدن۔ سرخی و زردی نحوی کہ بعُنّاب و امرود رشک فزاید۔ و شیرینی قسمے کہ لب و دنداں تجویز دوری خستہ نماید۔ ﻫ بے تکلف خاطرم رازیں کنار + خرمی ہا رو نمود از ہر کنار۔

(قدر متین ۱۰)

ایک آم یہ بھی قابل ذائقہ ہی ہی۔

ﻫ ز الطاف انبہ ز اشفاق عام + دلم شاد شد خاطرم شاد کام + از رسیدن انبہ طبع نیاز رس مسرور گردید۔ و رنگینی آن قطعۂ چمنے نظر رسانید۔ دہن غنچہ آئینش ہنگام کشایش پیشۂ پشیمۂ خود شگفتین آموخت۔ و کام و زبان از شیریں بیانش شکر فشانی بمضامین شیر و شکر اندوخت۔ کثرت شیرۂ بے ریشہ آں قدر کہ بفشار نرمے از سر انگشتاں تا حد آستین رواں۔ و در حین ارتباط لب از گریبان تا کنار داماں رشک کاغذ زر فشاں۔ مدام شیریں کام باشید۔ (قدر متین۔ ۲۱)

سنگترہ بھی پھر لیجیے۔

ﻫ دلم ز سنگترہ بایں دو لطف خرسند ست + کہ از بروں و دروں ہم حلاوت و ہم قند ست +

تکمۂ سرخ آویختہ بازوے شاخ - وبہ مشت لعلگوں بہ پنجۂ مرجاں گستاخ - بالیدگی کولہ بفرحت ہم صورتی وبزرگی نارنگی بہ نسبت خردی - میوۂ ابتہاج درکف مزاج باد -

(قدر متین ۲۸)

سبحان اللہ سنگترے کے ساتھ تو نارنگیاں اور کولے بھی لپٹے ہوے ہیں -

یہ خربزہ بھی خاصا ہی - اور کیوں نہ ہو آگرے کا ہی -

ے لطف بہ جلوۂ ہوس انگیز خربزہ * کاشانہ ام نمود جو فالیز خربزہ * رنگش نظر فریبی نیرنگ دارد وبویش از عطر چنپہ فرق فرسنگ - کوزۂ نبات گرد تقلید شکلے تراشید - باین نرسید - وقند ہوس مناسبت مکرر گردانید - انفعال کشید - قلم اگردہ زباں آرد - تحریر خوبی ہر قاش رقم عجز نگارد - سرسبزی عاشق کشت تمنا باد -

(قدر متین ۴۲)

سب کھا چکے - تربز رہا جاتا ہی - ایک قاش اس کی بھی سہی -

مجھ سے کل یار نے منگوایا جو دیکھ بھیا
دیکھ تیوری کو چڑھا ہو کے غضب طیش میں آ
کیوں بے لایا ہی اُٹھا کر یہ مراسر تربوز
اور کچا ہی تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا
لاٹھی پاٹھی جو نہ پائی تو پھر آخر جھنجھلا
کھینچ مارا مرے سینے پہ اُٹھا کر تربوز

اُس کے ٹانکے جو لگائے تو وہ کچا نکلا
کچھ نہ بن آیا تو پھر گھور کے یہ کہنے لگا
جب کہا میں نے میاں یہ تو نہیں ہی کچا
اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا

ے بخندۂ شکرین تو بود گرم ہوس * دلم ز تربز شیریں بقدر تسکیں یافت * حلاوت تربز زباں را

بشکر ریختی شکر رسانید - وعذوبت آں ذائقہ را مانندِ ہر قاش بر انگبیں خندانید - درج زمرد پر از یاقوتِ رمانی - وآبگینہ سبزی لبریز شربتِ سرور رسانی - مرغزار شادابی بفسحتِ طبیعت بساطِ طراوت گستر - وبہارِ خضرتِ آبی مانندِ سیرِ سبزۂ وآب مفرّحِ خاطر ومقویِ نظر - ع بوے برف شیریں پیش ایں ہر لحظہ دہر دم بآئینِ دل فرہاد گوید گرد تو گردم ÷ سرسبزیِ برآمد مشمول مقاصد باد - (قدر متین ۶۹)

انجیر کو بھی ذائقہ بتیجیے -

ع ایں عطوفت کہ نمودی بر من ÷ از تو امید چنیں مے دارم ÷ انجیر عذوبت پذیر - انشراح متجاوز التحریر رسانید - پوست ومغزش بہ نرمی ونزاکت اتحاد دارد - وخوبانی بادام الفتش اگر ہوسِ اسیری کند عجب نیارد - قند مصری انباز حلاوت نہ بلایمت - وانگور بصحبت گروِ نازش ہے ندامت - کامِ ذائقہ چناں از لب حاصل کہ منت دنداں نبرد - وازاں قسم شیرینی کہ مذاق را بخاموشی ملذذ گرداند -

(قدر متین ۱۲۳)

انجیر کے لپیٹ میں خوبانی بادام انگور بھی آگئے -

انار سلطان الثمار بھی ملاحظہ ہو -

ع از شیوۂ شیرینیت اے مجمع صد خوبی ÷ شاد است دلِ یاران چوں حسن بہ محبوبی ÷ انار چند از لطف آں طرزِ رعایت پسند بخوبی رسید - خاطرِ مسرور چوں خلاصۂ بعضے ازاں در پیرہن نگنجید - بدعوی سرخی گلبرگ خود سندِ عیانے - وشاہدِ آں یاقوتِ رمانی - عذوبت با نبساط جایابی دردن منجمند - امرود وشفتالو بحلاوتِ خود خیال مے بندد - حرفِ مذاق بسیار شیریں - وسخنِ طبیعت نہایت شکریں - شجرِ مرادِ مثمر برآمد باد - (قدر متین ۱۱۶)

اب گن تو جانیے کتنے پھل ہوے۔

آم ایک۔ جامن دو۔ لیموں تین۔ چکوترے چار۔ نارنگی پانچ۔ انار چھ۔ سنگترے سات۔ کیلے آٹھ۔ خربوزے نو۔ بیر دس۔ بادام گیارہ۔ پستہ بارہ۔ داکھ تیرہ۔ چھوہارے چودہ۔ کھوپرہ پندرہ۔ امرود سولہ۔ انگور سترہ۔ شفتالو اٹھارہ۔ فالسہ اُنیس۔ بہی بیس۔ شریفہ اکیس۔ سیب بائیس۔ انجیر تئیس۔ آم چوبیس۔ گنا پچیس۔ خوبانی چھبیس۔ تربز ستائیس۔

اللہ غنی ستائیس بہت ہیں۔ اتنے پھل ایک باغ میں بہت غنیمت ہیں۔ لیچو نظر نہیں آتے شاید اُن دنوں اس قدر عام نہ ہوں۔

نظیر کا مٹھائی کا پُل

گو نظیر برابر مٹھائی کے پُل پر نہ رہا مگر جہاں رہا مٹھائی کا پُل قائم تھا۔ اگر اس پُل کے کچھ طاق دکھائے جائیں تو غالباً خیال کے تریاک سے لو لگانے والے بے مزہ نہ ہوں گے۔

پہلا طاق۔ برفی موتی چور کا

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں نور نور / آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور / ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

دوسرا طاق۔ برفی گلابی جلیبی تل شکری امرتی اور دندان مصری کا۔

میٹھی ہے جس کو برفی کہیے گلابی کہیے / یا حلقہ دیکھ اُس کے تازی جلیبی کہیے
تل شکریوں کی پھانکیں اب یا امرتی کہیے / سچ پوچھیے تو اس کو دندانِ مصری کہیے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرے کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

تیسرا طاق تل کے لڈو کا۔

عمدوں نے سو طرح کی یاقوتیاں بنائیں / لونگیں ہیں دار چینی شکر میں لے ملائیں
سردی میں دولتوں کی سو گرم چیزیں کھائیں / اوروں نے ڈال مصری گز پنڈیاں بنائیں

ہم نے بھی گڑ منگا کر بندھوائے تل کے لڈو

چوتھا طاق پیڑا جلیبی لڈو کا

کہتا ہے کوئی پیاری جو کچھ کہو سو لادیں
پیڑا جلیبی لڈو جو کھاؤ سو منگا دیں
زر دوزی ٹاٹ بافی جوتا کہو پنھادیں
چیرا دوپٹہ جامہ جیسا کہو رنگا دیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پانچواں طاق مختلف مٹھائیوں کا۔

انبار لگائے پیڑوں کے اور ڈھیر گلابی اور فنی
بُراق کُمدا اور خُرمی بھی خوش رنگ امرتی پر بِلّی
پھر لڈو بھی طیار کیے دی قند بہت بادام گری
وہ خوب جلیبی اور کھجلے وہ گھیور بالوسا ہی بھی

کچھ طاق ٹوٹے ہوئے بھی ہیں جن میں گڑ ہے۔ قند ہے۔ اولے ہیں۔ گڑ کی بھیلیاں ہیں گٹے ہیں۔ پیڑے ہیں۔ لڈو ہیں۔ جلیبیاں ہیں۔

یوں خلق دوڑی مکھیاں جوں گڑ پہ دوڑ یاں
خالق نے کیا ہی چیز بنائی ہیں کوڑیاں

جو کوئی چیز دیوے نت ہاتھ اوٹتے ہیں
گڑ بیر مولی گاجرے منھ میں گھونٹتے ہیں

سر سے تا پا سڑے پڑے چپکیلے ہیں
لہ گئی تار تار سب رگ وپے
وہاں روٹی پہ تھر آتا ہے
آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے ہیں
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے
اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے

ا۔ بھیلی گڑ کی چکتی جو عموماً پانچ سیر ہوتی ہے۔ ۲۔ خوشبو

اُس نے اللہ جانے کھائیں کیا ۔ اس قدر دھوم مکھیوں کی ہی

اُن کی بلا سے گھر میں ہو قند یا شکر نا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہی کر گزرنا

ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹے ۔ موتی مونگا وآرسی ۔ ٹبّے

پیڑے لڈّو جلیبی ۔ اور گٹے

لڈّو میں نہ پیڑوں میں نہ اولوں میں مزا ہی ۔ الخ
کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکّر تربوز

نظیر کی عورتیں

نظیر کے کلام میں عورتوں سے کافی طور پر بحث کی گئی ہے اور اُس پر اجمالی نظر ڈالنے سے ایک خاص مفہوم عورتوں کا جو نظیر کے ذہن میں تھا حاصل ہوتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے نظیر کی معشوقیں ہیں۔ اُن کو اُس نے مختلف عنوان سے پیش کیا ہے۔ کہیں تو اُس نے سر سے پا تک زیورات سے جڑ دیا ہے۔ کہیں زیور کے علاوہ ناز و انداز و نزاکت اور تناسبِ اعضا اور رفتار و گفتار کا عالم بھی دکھایا ہے۔ حسن سے قطع نظر اُس کے معشوق میں ہمیشہ ایک اعلیٰ درجے کی ذہانت پائی جاتی ہے اور بلا کی بے چینی۔ اُس کا معشوق برق کی طرح ابھی یہاں ہے ابھی وہاں ابھی غائب۔ کسی قدر معشوق میں ایک خاص قسم کے ظالمانہ تیور بھی رکھتا ہے۔ اور معشوق اُس کا غالباً پردہ نشین عورت نہیں معلوم ہوتی ہے بلکہ امیروں اور بڑے لوگوں کے پہلو میں بیٹھنے والی طوائف۔ بول چال میں اُن کی ایک مردانہ لہجہ رہتا ہے۔

کہا جو ایک لے بوسہ میں دو لگا لینے
تو ہنس کے کہنے لگے چل بے اب نہ ایک نہ دو

معشوق اس کا زیادہ تر سفاک وضع ہے۔ فوجی لوگوں کے مذاق کے لائق۔ اسی سے ہمیشہ نظیر ڈر کے پہلو کو چمکاتا ہے۔

نظیر یار سے کیوں دردِ دل نہیں کہتا	سنا نہیں ہے وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ

پہ دل وہ تھپر کہ سر اُڑا دے جو نام لیجے کبھی وفا کا

(۲) معشوقوں کے بعد اُن عورتوں کا درجہ ہے جو گھر گرست کہلاتی ہیں - اور حسنِ خانہ داری سے عمدہ بیویاں اور مائیں ہیں - اسی قسم کی عورتوں میں مجنوں کی ماں ہے جو اپنے بچے کی پرورش میں پوری طرح شفقتِ مادری صرف کرتی ہے - اسی قسم کی عورتوں میں پاربتی کی ماں ہے جو اپنی لڑکی کے لیے ایک عمدہ بَر چاہتی ہے - مہادیو کے خاص اطوار سے بھیانک ہوتی ہے -

(۳) تیسری وہ عورتیں ہیں جو جنگلوں میں رہتی ہیں - اُن کے مدارج ہیں بعض جوانیں ہیں بعض بوڑھیاں ہیں - بوڑھیوں کے ساتھ اس کو جوانوں سے زیادہ ہمدردی ہے -

(۴) چوتھی[1] وہ عورتیں ہیں جو افلاس کے عالم میں باوجود شوق کے اپنا ارمان نہیں نکال سکتیں اور نہایت بے رونقی سے اُن کے گھر میں تقریبات ہوتی ہیں -

(۵) ہندوستان کی شریف عورتوں کو نظیر بہت کم پردے سے باہر نکالتا ہے -

(۶) ہندوؤں کی شریف عورتیں بھی ہولی کی تقریب سے آتی ہیں مگر زیادہ تر کنجنیاں ہیں - ہندوؤں کی شریف عورتیں نظیر کے کلام میں اُسی قدر زیادہ ہیں جس قدر کہ باعتبار حالتِ سوسائٹی اور قلتِ پردہ کے وہ مسلمان عورتوں سے زیادہ باہر نکلتی ہیں -

---

[1] پنہاری - بھٹیاری - پسنہاری -

نظیر کی کتاب الامثال

مثل تین حرفوں سے زیادہ نہیں مگر اسی میں دنیا بھر کا فلسفہ بند ہے۔ لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں مگر میرے خیال میں اس سے بہتر کوئی تعریف نہیں۔

فصاحت کا وہ خوش نما شرارہ جو مختلف تجربوں کی رگڑ سے پیدا ہوا اور جس سے مختلف واقعاتِ دنیا پر روشنی پڑے۔

مثل حقیقت میں تجربوں کی نوٹ بک ہے۔ عقل نے فصاحت کی شرکت سے ایک خاص شارٹ ہینڈ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعے سے ایک شخص کی عمر بھر کے تجربے چند لفظوں میں بند ہو جاتے ہیں۔ اس شارٹ ہینڈ میں نظیر کو بھی ید طولیٰ تھا۔ اور کیوں نہ ہو کہ تجربے ہر وقت ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے تھے اور اس فن کے دونوں موجد اس کے دن رات کے مصاحب و جلیس تھے۔ ہزاروں مثلیں اس کو یاد تھیں اور دن میں سیکڑوں بار اس کو اکثر موقع پر یاد آتی تھیں اور کبھی کبھی بے ساختہ اس کی زبان سے نکل بھی جاتی تھیں۔ مثلیں یاد تھیں تو نظیر جیسے آدمی کا دماغ اُنھی پر قانع تو رہ سکتا نہ تھا۔ اُن کی خصوصیات پر غور کی۔ اُن کی گہرائی کو ناپا۔ اُن کی فصاحت کے معیار قائم کیے۔ اُن کے بننے بنانے کے اصول ٹھہرائے۔ پھر اخیر میں اپنی قوتِ اختراع سے اپنے خاص نقش و نگار کے ساتھ چند سانچے طیار کیے جن میں تجربے آسانی سے کھٹا کھٹ ڈھل سکیں۔ حافظے سے کلیات میں کتنی مثلیں آئی ہیں۔ پہلے ہم اُن کو گنوائیں گے پھر اُس کے خاص کارخانے کی بنی ہوئی مثلوں کی بانگی دکھائیں گے۔

قدیم مثلوں کے نمونے۔

(۱) نیکی اور پوچھ پوچھ۔

کہا جب نظیر ہم نے بھی دل میں ہم تو رکھتے	تو کہا جو نیکی ہووے تو پھر اُس کا پوچھنا کیا

(۲) بھنگیاں در باغ بیر گُٹھلی سب روا۔

اور نشے کی جھانجھ میں جو ہاتھ لگ جاوے سو کھا	بھنگیاں در باغ رفتہ بیر گُٹھلی سب روا

(۳) چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا پاکھ۔

اب تو مُنھ گُل ہی پیارے پھر دھتورا آکھ ہے	آج یہ گُلشن کھِلا ہے کل کو سو کھا ساکھ ہے
جو اُٹھا شعلہ بھبوکا آخرش کو راکھ ہے	چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے

ماں نے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حُسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۴) بھوکے بھجن نہ ہو۔

بھُوکے غریب دل کی خُدا سے لگن نہ ہو	سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو

(۵) حلوائی کی دکان دادا کی فاتحہ۔

اور مُفلسوں کی ہے یہ تمنا کی فاتحہ	دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ	حلوائی کی دُکان پہ دادا کی فاتحہ

یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

(۶) اجگر کے داتا رام۔

آگے تو گھر گھر تھے اکثر تمام داتا
اپنے تو کوئی ہرگز آیا نہ کام داتا
سیمرغ پالتے تھے کرنے کو نام داتا
سچ ہی نظیر آخر اجگر کے رام داتا

سب بیچتے ہیں یارو چیتے کھرے کا بچا
ہم بیچتے ہیں یارو لواتڑ دے کا بچا

(۷) مکھی آن مدھ گری پنکھ رہے لپٹائے
یہ شہد برا ہی لالچ کا اس میٹھی کو مت کھا پیارے
جو مکھی اس میں آن پھنسی پھر پنکھ رہے لپٹا پیارے
ہاتھ ملے اور سر دھنے کہ لالچ بری بلائے
یہ شہد نہیں ہے زہر ہرا اس زہر اوپر مت جا پیارے
سر ٹپکے روئے ہاتھ ملے ہے لالچ بری بلا پیارے

جب آسا نستا دور ہوئی اور آئی گت سنتوکھ بھری
سب چین ہوئے آنند ہوئے بم شنکر بولو ہری ہری

(۸) اے میری الٹی کے سننے والے مانگا نیچے دیا اوپر۔

رکھ بوجھ سر پہ نکلا اشتر ملا تو ایسا
بڑھ گئے جو بال سر کے افسر ملا تو ایسا
گھیرا خرابیوں نے لشکر ملا تو ایسا
مفلس کا زرد چہرا جو زر ملا تو ایسا

آنسو جو غم سے ٹپکا گوہر ملا تو ایسا

(۹) مفلس کی جورو سب کی بھابھی۔

چولھے پہ چولھا توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کی جورو سچ ہے کہ ہاں سب کی بھابی ہے

عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

(۱۰) آدھی اساڑھ دشمن کے گھر برسے

خورشید گرم ہو کر نکلا ہی اپنے گھر سے
لیتا ہی مول بادل کر کر تلاش زر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
آدھے اساڑھ تو اب دشمن کے گھر بھی برسے

آیار چلکے دیکھیں برسات کا تماشا

(۱۱) موتوا قبل ان تموتوا

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقانِ زار
وہ زندۂ ابد ہیں رہے تا حشر برقرار
کیا کاتبانِ اہلِ قلم خوش نویس کار
جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار

کوئی لکھ کے مر گیا کوئی لکھوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

(۱۲) چہ بر تخت مُردن چہ بر روی خاک۔

کوئی ٹھوٹی چاہتا تھا کوئی موڑھا اور رٹر
جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر
یہ خاک پہ موا وہ موا تخت کے اُپر

تھی جس کی جیسی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

(۱۳) اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی
کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو کشف کرامات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
کتنے اسی کو قاضی الحاجات کہتے ہیں

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلا ئے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

(۱۴) زر بر سر فولاد نہی نرم شود۔

زر کے دیے سے پیر اور اُستاد نرم ہو
جو شوخ سنگ دل ہے پری زاد نرم ہو
زر کے سبب سے دُشمن ناشاد نرم ہو
زر وہ ہے جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو

جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

(۱۵) اللہ غنی وانتم الفقرا۔

عمدہ ہیں جتنے خلق میں کیا شاہ کیا وزیر
کیا گنج و ملک و مال مکان تاج کیا سریر
اللہ ہی بس غنی ہے میاں اور ہیں سب فقیر
جو مانگنا ہے اُس سے ہی مانگو میاں نظیر

غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت جو ہاتھ اُٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

(۱۶) جس کے ہاتھ ڈوئی اُس کا سب کوئی

دُنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے
کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے
نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے
سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے

نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

(۱۷) جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

جو بار اُتارے اور وں کو اُس کی بھی پار اُتری ہے
جو غرق کرے پھر اُس کو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے

(۱۸) پانڈے جی پچتائیں گے وہی چنے کی کھائیں گے

دل غریبوں کے جو پیارے تجھ سے اب کھبائیں گے
لیک اک دن تجھ کو بھی خوباں یوں ہی کلپائیں گے
بات کو ہنسنے کو دے دی جھڑکیاں ترسائیں گے
پانڈے جی پچتائیں گے وہی چنے کی کھائیں گے

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۱۹) رہے نام اللہ کا۔

اب نظیر آگے تری رہتا ہے حاضر صبح و شام
پیار سے ہنس بول پیارے پی مے الفت کا جام
پھر کہاں یہ دلبری یہ عیش کی باتیں مدام
کچھ نہ رہوے گا رہیگا آخر اللہ کا نام

مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

(۲۰) خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

پڑے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۲۱) سخی کی ناؤ پہاڑ چڑھے۔

داتا کی مشکل کوئی اٹکی نہیں رہتی
چڑھتی ہے پہاڑوں کے اُپر ناؤ سخی کی

(۲۲) سانچ کو آنچ نہیں۔

نظیر یار سے کیوں درد دل نہیں کہتا	سُنا نہیں ہے وہ تو نے کہ سانچ کو کیا آنچ

(۲۳) دل کو دل سے راہ ہے

باتیں ہماری دل کی کہدیں نظیر اُس نے	ہے سچ تو یوں کہ دل کو ہوتی ہے راہ دل سے

(۲۴) باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

آدم اک دُمری کی حقیقت کو رہے عاجز سدا	ہم کو کیا کیا پیچواں اور گر گڑی پہ ناز ہے
غور سے دیکھا تو اب یہ وہ مثل ہے اے نظیر	باپ نے پدڑی نہ ماری بیٹا تیر انداز ہے

(۲۵) جوینده یابنده

مُربّا ہائے انبہ مسرور و استلذاذ گردانید تو کثرتِ رائحہ لطف سہ چنداں بخشید حلاوت وحموضت جویائے تُربت بود بمعنے جوینده یابنده لذت دیگر فراہم نمود۔

(۲۶) خانہ احساں آباد

نظیر اکنوں نہ دارد غیر از یں یاد	کہ باشد خانۂ الطاف آباد

(۲۷) وقت خزاں چو گل نبود خس غنیمت است

قائم ہے جسم گو کہ نہیں کس غنیمت است	جیتے تو ہیں اگرچہ نہیں بس غنیمت است
سو عیش ہم کو گر نہ ملے دنس غنیمت است	وقتِ خزاں چو گل نبود خس غنیمت است

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است
وز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

(۲۸) بیٹھے سے بیگار بھلی۔

آؤ پڑوسن ... کھیلیں بیٹھے سے بیگار بھلی۔

(۲۹)	گندم از گندم بروید جو زجو	از مکافات عمل غافل مشو
	جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاویگا	گیہوں سے گیہوں جو سے جو چانول سے چانول پاوے گا

(۳۰) ڈھاک کے تین پات

گر بیچ بخیلی زہر ہوی یا بخشش میں تریاک ہوے	یا بخل ہوی پر میوے کے یا خالی پاتوں ڈھاک ہوے۔ الخ

(۳۱) پانی پیجے چھان کر گرو کیجے جان کر

کھانا جو کھا تو دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر	یاں پانوں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر

آب یہاں سے خاص نظیر کی مثلیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ بات تو بطور کلیے کے سمجھ لینی چاہیے کہ اُس کی ہر مقبول ناصحانہ نظم کی ٹیپ یقینی ضرب المثل ہی

(۱) سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاے گا جب لاد چلے گا بنجارا

(۲)	کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگیں ہیں	کوڑی نہیں تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں
(۳)	سب چیز کو ہوتا ہی بُرا ہاے بڑھاپا	عاشق کو تو اللہ نہ دکھلاے بڑھاپا

(۴) پورے ہیں وُہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

(۵)	کل جگ نہیں کر جگ ہی یہ یاں دن کو دی اور رات لے	کیا خوب سودا نقد ہی اس ہاتھ دی اُس ہاتھ لے
(۶)	کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہی	اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہی

(۷) اپنا نہ مول کا نہ اجارے کا جھونپڑا — بابا یہ تن ہے دم کے گزاری کا جھونپڑا

(۸) عاشق ہی تو دل بر کو ہر اک رنگ میں پہچان

(۹) ٹک دیکھ لیا دل شاد کیا خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

(۱۰) کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

(۱۱) اب بھی ہماری آگے یار دو جوان کیا ہے

(۱۲) اک دم کو آ گئے ہیں منہ مت چھپائے ہم سے — ٹک ہنس کے او پری رو آنکھیں لڑا لے ہم سے

(۱۳) جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست — اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

(۱۴) تن درستی کو پیٹ فضل الٰہی بوجھیے — آپ وسی جگ میں رہنا بادشاہی جھیے

(۱۵) ہیں راگ انھی کے رنگ بھرے اور بھاو انھی کے سانچے ہیں

جو بے گت بے سُر تال ہوئے بن تال پکھاوج ناچے ہیں

(۱۶) کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل

چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

(۱۷) پی عاشقوں میں آ کر دو بھنگ کے پیالے — جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر والے

(۱۸) آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

(۱۹) عاشق کو دکھاتی ہے عجب ڈھنگ جوانی

(۲۰) گاہک ہی کچھ نہ لیوے تو دلال کیا کرے

(۲۱) جھمکا نظر آتا ہے ہر اک عیش کی شے کا — دنیا میں عجب روپ جھلکتا ہے روپیے کا

(۲۲) سب چھوڑ دو بات طوطی و پدڑی و لال کی — یارو کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی

(۲۳) نقش پاں جس کے میاں ہاتھ لگا پیسے کا — اُس نے طیار رہر اک ٹھاٹھ کیا پیسے کا

(۲۴) دیکھ لے دنیا کو غافل یہ تماشہ پھر کہاں

(۲۵) پڑھ پڑھ کے بھٹکتے ہیں لاکھوں دانا کروڑوں پنڈت ہزاروں سیانے

جو خوب دیکھا تو یار آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

(۲۶) دنیا کے امیروں ہیں یاں بس کا رہا ڈنکا

(۲۷) پیسا ہی رنگ روپ ہے پیسا ہی مال ہے — پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

(۲۸) راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے — یاں یوں بھی واہ واہ ہے اور ووں بھی واہ واہ ہے

(۲۹) جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

(۳۰) جب آئی اُس گڑھی میں نظیر اور ہزار من — اوپر سے آ کے خاک پڑی تب خبر ہوئی

(۳۱) لے آئینے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ — صورت میں اپنی قدرتِ پروردگار دیکھ

(۳۲) گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یاں کسی سے میل — یاں تو نٹ ری نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل نسے

(۳۳) خدا کسی کو نہ دکھلائے غم جدائی کا

(۳۴) یہ چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں — خاک ایسی زندگی پہ تم کہیں اور ہم کہیں

(۳۵) دل کی خوشی کی خاطر چکھ ڈال مال دھن کو — گر مر رہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

(۳۶) کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

(۳۷) جدھر کو دیکھو اُدھر اک نیا تماشا ہے — غرض میں کیا کہوں دنیا بھی کیا تماشا ہے

(۳۸)	حسن یہ دو دن کا ہی مہمان ہنس لے بول لے	مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
(۳۹)	نہ یہ چہلیں نہ یہ دھومیں نہ یہ چرچے ہم ہوں گے	میاں اک دن وہ آدیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہوں گے
(۴۰)	تازگی جی کی اور تری تن کی	واہ کیا بات کورے برتن کی
(۴۱)	جب آئی اجل پھر کوئی ڈھونڈھا بھی نہ پایا	قصّوں میں رہی حرف و حکایات تو پھر کیا
(۴۲)	دنیا میں بادشا ہی سو ہی وہ بھی آدمی	
(۴۳)	جتنے مزے ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں	
(۴۴)	ایسے لڑے کہ خوب لڑے خوب ہی لڑے	
(۴۵)	رگ رگ میں جس سے چھٹ گئی عشرت کی پھلجھڑی	
(۴۶)	غیر از خدا کے کس میں ہی قدرت جو ہاتھ اٹھائے	مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے
(۴۷)	ہشیار یار جانی یہ دشت ہی ٹھگوں کا	یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا
(۴۸)	اس کی بغل میں گپتی تیغ اس کے ہات میں ہی	وہ اس کی فکر میں ہی یہ اس کی گھات میں ہی
(۴۹)	غل شور بھولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہی	ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہی
(۵۰)	جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہی	حق تو یہ ہی کہ خوشامد سے خدا راضی ہی
(۵۱)	سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے	جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضیے پاک ہوئے
(۵۲)	دنیا کے بیچ یارو سب زیست کا مزا ہی	
(۵۳)	ڈرتی ہی روح یارو اور جی بھی کانپتا ہی	مرنے کا نام مت لو مرنا بری بلا ہی
(۵۴)	سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے	اور دم بنا ہی آہ فقط غم کے واسطے

(۵۵) دنیا میں کون ہی جو نہیں مبتلاے زر

(۵۶) جو ہی سو ہو رہا ہی سدا مبتلاے زر — ہر اک ہی پکارِ رہی دن رات ہاے زر

(۵۷) اب آکے بڑھاپے نے کیے ایسے ادھورے — پر جھڑ گئے دُم اڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

(۵۸) یہ رنڈی پرانی ہی نہ آ اس کے تو چھل میں — آج اس کے بغل میں ہی تو کل اُس کے بغل میں

(۵۹) کیا اُرتے ہین طلای علیہ السلام کے

نظیر کی نسبت لوگوں کی رائے

نظیر کی نسبت علی العموم لوگوں کی رائے خراب ہے۔ یہانتک کہ جس کسی سے میں نے ذکر کیا کہ میں نظیر کی سوانح عمری لکھ رہا ہوں اُس نے تبسمِ زیرلبی ضرور کیا۔ لیکن اِس عام مخالفت رائے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ واقع میں نظیر اور اُس کا کلام اسی کا مستحق بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض زمانے میں کسی خاص طرز کو خاص مقبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ مقبولیت معقول اسباب پر مبنی ہوتی ہے اور کبھی فقط ملک اور قوم کا ایک خاص خیال اس مقبولیت کا باعث ہوتا ہے جس کی کوئی بنیادِ معقول نہیں ہوتی۔ ہر چند اس قسم کی بے بنیاد مقبولیت چندے جدت کی وجہ سے لوگوں کو فریفتہ رکھتی ہے لیکن بہت ہی جلد اُس کا رنگ دلوں سے محو ہونے لگتا ہے اور آخر مٹ مٹا کر فقط اللہ کا نام رہ جاتا ہے۔ نظیر کے دورِ اخیر میں بدقسمتی سے ملک کے مذاق نے ناسخ کی غیر طبیعی اور پُر تصنّع طرزِ شاعری کو پسند کرنا شروع کیا تھا۔ پبلک اُن دنوں کوئی چیز نہ تھی۔ جو کچھ تھے اُمرا تھے اُنھی کے ہاتھ میں مذاق کی باگ ہوتی تھی۔ وہ جس طرح چاہتے تھے اُس کا رُخ پھیر دیتے تھے۔ لکھنؤ میں شاعری کی بُنیاد گویا سودا سے پڑی۔ وہ کوئی خودمختار شاعر نہ تھا کہ بالکل تقاضائے فطرت پر نظر کرتا۔ تعلقِ دربار سے اُس کو اُمرا اور دولت مندوں کی مدحت کرنی پڑتی تھی۔ پھر اُمرا اور دولت مند کون جن کا نام یوں معمولی طور پر بھی بے دُم گز کے القاب کے لیا نہیں جاتا تھا۔ ایسی حالت میں سوا اِس کے کیا چارہ تھا کہ بے انتہا الفاظی سے کام لیا جاتا۔ سودا کے قصائد قصائد نہیں ہوتے بلکہ عمدہ لفظی رجمنٹیں ہیں جن میں چُنے اور چھنٹے ہوئے سڈول گراں ڈیل جوان شوکت اور دبدبے کی وردیاں پہنے ہوئے موزونی کی پریڈ میں قواعد کر رہے ہیں۔

آگے تشبیب کا انگریزی باجا ہے اور سب سے پیچھے دعا کا نیشنل انتھم۔ ناسخ سودا کے بعد آیا۔ ہرچند اُس نے قصیدہ تو نہیں کہا مگر قصیدے کی لفاظی رائج ہو چکی تھی۔ اب وہ عاشقانہ ڈھنگ کے سیدھے سادے پھیکے پھیکے اشعار دلوں کو کب مزہ دے سکتے تھے۔ ناچار اس کو غزل میں بھی قصیدے ہی کی طرز اختیار کرنی پڑی۔ وہ بزم جس میں سچے عاشق دلی سوز و گداز کے ساتھ اصلی معشوقوں سے مصروفِ حرف وحکایت تھے۔ وہاں رجمنٹ کے سپاہی گھس آئے۔ رنگ محل بارک ہو گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ناسخ کی طرز نے ایسی مقبولیت حاصل کی کہ شرق سے غرب تک اُس کا رواج ہو گیا۔ ہرچند دہلی کے شُعرا زیادہ تر میر کی طرز کے پسند کرنے والے تھے مگر رفتہ رفتہ اُن کے مذاق میں بھی انقلاب آیا۔ شاہ نصیر کے زمانے سے لفاظی کا وہاں بھی رواج ہوا۔ شیخ ابراہیم ذوق نے ناسخ کی طرز پر بیسیوں غزلیں لکھی ہیں۔ اگر ایک خاص وجہ سے دہلی والوں کو اہلِ لکھنؤ سے قطعی نفرت نہ ہوتی تو میں جانتا ہوں لکھنؤ اور دہلی کی شاعری میں کوئی تفرقہ باقی نہ رہتا۔ ذوق نے ابتدا میں گو ناسخ کا تتبع کیا مگر آخر اُس کے مذاق سلیم نے دکھایا کہ فقط لفاظیوں سے کام نہیں چل سکتا۔ اصلی دلی خیالات کسی قدر تصنع سے دُور ہونے چاہئیں اور ان الفاظ اور ترکیبوں میں ظاہر ہونے چاہییں جو بے تکلف ہوں۔ میرزا غالب اور مومن خاں نے گو اپنے مذاق پر ناسخ کا خطِ نسخ تو نہ پھیرنے دیا مگر پھر بھی ان دونوں حضرات پر متاخرین شُعرائے فارسی کا مذاق اس قدر غالب تھا کہ اُن کو ہم بمشکل اردو کا شاعر کہہ سکتے ہیں۔ ایک کے اگر فقط خیالات فارسی ہیں تو دوسرے کے الفاظ اور خیالات دونوں

موجودہ مذاق کسی نہ کسی نہج سے انھی شعرا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جنھوں نے باضابطہ قدیم روش پر تعلیم شاعری پائی ہے وہ ضرور ان ہی ائمۂ فن میں سے کسی نہ کسی کے پیرو ہوں گے اُن کا دماغ اُس تعلیم کی وجہ سے

کسی طرح بے لاگ رائے قائم نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں نظیر کے اس گروہ میں مقبول ہونے کی کیا شکل۔ ایک صورت اُس کی مقبولیت کی تھی مگر اُس میں ایک خاص آفت پیش آگئی۔ یہ تو سب کو معلوم ہو کہ انقلاب سلطنت سے ہر قسم کے مذاق میں بھی بہت بڑا انقلاب آیا ہو۔ غدر سے اِس انقلاب کی ابتدا ہو اور اب شاید انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ مدرسے قدیم معلّموں سے خالی ہو گئے۔ کالجوں میں پروفیسر آباد ہیں۔ مشاعروں کی شمع گل ہو۔ گُلدستے مُرجھا مُرجھا کر رہ گئے۔ دیوان اولاً تو چھپتے نہیں۔ اور جو چھپتے ہیں داخل دفتر۔ قلم رو نظم نثر کے قبضے میں ہو۔ قافیوں کا قافیہ تنگ ہو۔ فوجِ ردیف بھاگی جاتی ہو۔ ناولوں کا دھاوا ہو۔ افسانے کُتب خانوں میں پھپھتے پھرتے ہیں۔ شاعری اپنی حفاظت کے لیے فطری مورچے قائم کر رہی ہو۔ معانی کے رسالے الفاظ کے پیادوں کو کھُندل رہے ہیں۔ انقلاب کا خاصہ ہو کہ عزیزوں کو قعرِ مذلّت میں گرا دیتا ہو اور ذلیلوں کو بامِ عزت پر چڑھا لیتا ہو۔ اِس قاعدے کے مطابق یہاں بھی بیسیوں عزیز ذلیل اور بیسیوں ذلیل عزیز ہوئے ہمیں اُمید تھی کہ جہاں اور ذلیل عزیز ہوئے ہیں وہاں ہمارا نظیر بھی ہوگا۔ حق یہ ہو کہ موجودہ مذاق کے مطابق اِس سے بڑھ کر کسی شاعرِ کو مقبولِ عام ہونے کا استحقاق نہ تھا مگر بلا یہ آن کر پڑا کہ جن ناقدین کے ذریعے سے اُس کے اصلی جوہر روشن ہو سکتے تھے اُن کی آنکھوں پر اغراضِ ذاتی نے بلا کے پردے ڈال دیے۔ ہر چند پوری پوری کتابیں شاعری پر لکھیں مگر اِس پر بھی اِس کا کہیں ذکر نہ کیا اور جو کیا تو سرسری طور پر نہایت بے دلی کے ساتھ اصل میں ڈر اُن کو اِس بات کا ہوا کہ اگر میں اس کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھوں گا تو جس مرتبے کا میں مُدعی ہوں اُس کا وہ مستحق ثابت ہو جائے گا۔ میرا خیال یہ ہو کہ ہندوستان میں نیچرل شاعری جس کا اب بہت غُل ہو اصل میں اُس کی بنیاد نظیر نے قائم کی ہو۔ باوجودے کہ اب لوگ خیالاتِ فرنگ سے مدد لے لے کر طبع آزمائی کر رہے ہیں پھر بھی بعض فطری نظمیں اُس کی ابھی تک لاجواب ہیں اور شاید اُس وقت

تک لاجواب رہیں کہ کوئی اُسی رُتبے کا حقیقی شاعر ملک میں پیدا ہو۔

جس عدم مقبولیت کا میں نے ابھی تک ذکر کیا ہے وہ خاص شعرا اور اہل فن سے متعلق ہے ورنہ علی العموم باایں مخالفت بھی نظیر کی مقبولیت بدرجۂ غایت ہے۔ اس کثرت سے شعرائے ہند میں شاید کسی کا کلام نہیں پڑھا جاتا اور اس کثرت سے کسی کا کلام مجالس و محافل میں بطور ضرب المثل مستعمل نہیں۔ یہی مقبولیت تھی جس نے اس کا کلیات چھپوایا اور یہی مقبولیت تھی جس نے اس کو ہاتھوں ہاتھ بکوایا۔ کلیات کے چھپوانے کو کوئی اس کا شاگرد نہیں اُٹھا تھا نہ خاندان کے کسی صاحب نے اس طرف توجہ کی تھی۔ باضابطہ دیوان اُس کا ابھی تک خاندان کے بعض تنگ خیال لوگوں کی خلوتِ خوش خیالی میں بند ہے۔ دیوان جو شاگردوں یا خاندان کے لوگوں کے اہتمام سے چھپتا ہے اس میں دیباچہ ہوتا ہے۔ قطعاتِ تاریخی ہوتے ہیں۔ تقریظیں ہوتی ہیں۔ یہاں ان چیزوں کا تو ذکر کیا ترتیب بھی ٹھیک نہیں۔ عام مقبولیت سے عام طلب پیدا ہوئی اور تاجرانہ خیال نے طلب کا اندازہ کر کے جس طرح بنا چھاپ دیا۔

سلیقۂ جمع و تالیف چاہتا ہے کہ اس پہ بھی اس کے لیے تقریظوں کا ایک معتد بہ مجموعہ فراہم کیا جائے جس سے ظاہر ہو کہ اصلی کمال اپنا صلہ بے لیے نہیں رہتا۔ اچھا لیجیے :۔

۱۔ محمد وزیر خاں مہتمم مطبع احمدی واقع چارسو دروازہ آگرہ کی رائے :۔

"کتاب لطف مآب پسند صغیر و کبیر کلیات نظیر"

۲۔ شیخ نورالدین بن جیوا خاں مہتمم مطبع صفدری واقع بمبئی کی رائے :۔

(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب پسند خاطر صغیر و کبیر یعنی منتخب نظیر (مصنف کی نسبت) نتیجۂ طبع سر دفترِ شعرائے زمانِ خویش و مقتدائے رہ روانِ سلوک خیر اندیش جناب شیخ ولی محمد صاحب متخلص بنظیر۔

۳- سید تصدق حسین مہتمم مطبع اودھ اخبار کی رائے:-

"مصنف باکمال نے ہزاروں طرح کے پند و نصائح کو چٹکلوں اور مثالوں میں نظم فرمایا ہے خواب غفلت سے دنیا کی میٹھی نیند سونے والوں کو کس کس حسن ادب سے جگایا ہے- حق تو یہ ہے کہ اگلے لوگوں کا کلام بھی عجب پر تاثیر ہے کہ ہر زمانے اور ہر وقت میں اس کا مداح ہر صغیر و کبیر ہے- یہی کلیات ہے کہ اگر چشم ظاہر اس کو دیکھو تو طرح طرح کی دل لگی کی باتوں اور مذاق کی حکایتوں سے مملو ہے اور اگر دیدۂ حق بیں سے بغور و تامل ملاحظہ ہو تو سراسر دنیائے ناپائدار کی مذمتوں اور چرخ کج رفتار کی شکایتوں کا دریا گویا بہ سبو ہے"

۴- حکمت یار خاں ابن حافظ احمد خاں شاگرد جناب منشی نثار احمد بریلوی کی رائے:-

"(کتاب کی نسبت) کتاب لاجواب سر دفتر شعرائے زماں سرمشق قلوب عاشقان (مصنف کی نسبت) کہ جس کو سیاح دریائے فصاحت بیانی و غواص بحر فہم و معانی جناب شیخ ولی محمد اکبرآبادی متخلص بہ نظیر نے اپنی صاف طبع سے نکال کر رشتۂ سحر نگار رنگ میں منسلک کر کر جوہریان و نقادان بازار معانی کو مستفیض کیا"

۵- حکیم میر قطب الدین باطن مولف گلستان بے خزاں کی رائے:-

"(مصنف کی نسبت) پیر مغان میکدۂ سخن- جرعہ کش راوق مضامین نو و کہن جناب سید ولی محمد نظیر- درۃ التاج شہنشاہ سخن دانی- گوہر یکتائے قلزم فیض رسانی- سر پرآرائے اقالیم سخن وری- اورنگ پیرائے محافل شاعری- شمع شبستان کرمت- چراغ دودمان عزت- گلدستۂ گلستان عظمت- غنچۂ بہار ندرت- لعل معدن حلم و حیا- گوہر گنج اتقا- خورشید آسمان وفا- ماہ چرخ صفا- بادہ نوش میخانۂ مضمون یک رنگی- رحیق پیمائے مصطلۂ معنی ول نشینی- مخزن جود و احساں- معدن الطاف بے پایاں حلیم الطبع- خلیق الوضع- مطلع انوار سعادت

نظم - مقطع بیاضِ تجلیاتِ بزم - حریفِ محفل آشنائی - ظریفِ انجمن دانائی - خلاصۂ خاندانِ بسالت سلالۂ دودمانِ اصالت چرخِ ہمت - زمینِ حلم - دُور از جہل نزدیک بعلم - وحیدِ عصر یکتائے زماں - یکہ تازِ عرصۂ مضمونِ سخن سنجان آشنائے غوامضِ نکتہ چینی - دانائے دقائقِ رنگینی - عالی فکر بلند ہمت رفیع مرتبت - بزرگ شوکت والا فطرت اوجِ فتوت - ہادی شعر القب - صاحب قاعدۂ ادب - (شاعری کی نسبت) خیاطِ ازل نے قبائے مضامینِ نادران کی عقل کے جسم پر قطع کی - دبیرِ فلک نے بیاضِ سخن پردازی و مضمون طرازی ان کے نام بخشی - بلاغت میں سلمانِ ساوجی بسم اللہ خوانِ دبستاں - فصاحت میں سحبانِ وائل طفلِ مکتب ایشاں - ان کے چمنِ فکر میں اس طرح کے گلہائے مضامیں کھلے ہیں کہ اگر عینِ خزاں میں بلبلِ تصویر کو اُس باغ میں لے جائیے تو اُن پھولوں کی بو کا نفسِ عیسوی کرے - نغمہ سرائی عندلیبِ طبع کی اگر طوطیِ بے جان سُنے تو ہزار جان سے نواسنجِ توصیف و مدح ہو کر ان کا دم بھرے - جس شاخ پر ایک پھول گلستانِ سخن ان کے سے کھلا دیکھیں سیارانِ شائق عنادل دل وار جان نثار کریں - گلشنِ جنت ایک برگِ خزاں رسیدہ چمنستانِ طبع - بہارِ خلد غنچۂ گلبنِ باغِ جنانِ طبع - شاعر اس کو کہتے ہیں کہ واقف ہو زمانے کے اُمورِ نیک و بد سے - ہمہ داں شیریں بیاں ہو بڑھ کے حد سے - شعر گوئی کے دقائق سے خوب ماہر ہو - شاعری کے سب نکتوں کا فائدہ اُسے ظاہر ہو - شاعری کے علموں کا عالم ہو - ہر طرز میں مہارت کامل ہو - جیسے ہادیِ شعرائے شاعر نامدار عالی مقدار جن کے کلمات شائستہ نے گوشِ فہمِ عالم کو عقل سماعت بخشی اور شہر شہر دیہ دیہ قصبہ قصبہ جا کوچہ و برزن میں ہزاروں فرسخ بجز ذکر و اوصافِ نظم و نثر اس جنت آرام گاہ کے کچھ بات نہ سُنی - ساقیِ خم خانۂ فیضِ طبع نے تشنۂ بادۂ شوقِ سخن کا لب ترکیا پیرِ مغانِ طبع نے ہر ایک خشک کام گلو ترکردۂ راوقِ تمنائے سخن کا اپنے دورِ مالامال ساغر کیا - کلام نظیر شعرائے عصر کے لیے نظیر ہے - تقریر عاصی بے نظیر ہے"

۶- ابوالقاسم میر قدرۃ اللہ قادری صاحب تذکرہ کی رائے:-

(مصنف کی نسبت) شیخ ولی محمد اکبر آبادی- شاعریست دیرینہ مشق کہ بالفعل (۱۲۲۱ھ) دراں نواحِ علمِ اوستادی مے افرازد- ونرد محبت واخلاص باہر کس مے بازد- بسیار سلیم الطبع وخوش اختلاط وبغایت نیک طینت و مستحکم ارتباط شنیدہ مے شود- بہ معلّمی اوقات گزاری مے کند و بہ کشادہ پیشانی ایامِ زندگی بسر مے برد"

۷- نواب مصطفےٰ خان شیفتہ صاحب گلشنِ بے خار کی رائے:-

"(شاعر کی نسبت) نظیر- خانہ در جوار روضۂ تاج گنج کہ بیرونِ شہر مذکور (اکبر آباد) ست دارد- گویند کہ نظیر در حلم و خُلق وانکسار بے نظیر روزگار ست- کم مُدت ست کہ ازیں خاکداں بہ روضۂ رضواں رفت (شاعری کی نسبت) اشعار بسیار دارد کہ بر زبانِ سُوقیاں جاری ست- نظر بہ آں ابیات در اعدادِ شُعرا نہ شاید شمرد- امّا بہ رعایتِ ابیاتِ منتخب قطعِ نظر کردہ شد"

۸- سعادت خان ناصر صاحب تذکرہ جوشِ معرکہ کی رائے:-

(مصنف کی نسبت) نظیر- وضع قلندرانہ- مرد آزاد- معاش اُس کی تعلیمِ صبیاں اور اُجرتِ صدائے فقیراں-

۹- مولوی محمد حسین آزاد صاحب تذکرہ آبِ حیات کی رائے:-

"(اشعار کی نسبت) ہمارے تذکرہ نویسوں کا دستور رہی کہ جب شاعر کا حال لکھتے ہیں تو اُس کے اشعار انتخاب کر کے لکھتے ہیں اور یہ ظاہر ہی کہ فیضانِ سخن رایگاں نہیں جاتا- نظیر کے بعض شعر ایسے ہیں کہ میر کے پہلو مارتے ہیں پس اگر نظیر کا ذکر لکھ کر اُس کے چند شعر منتخب لکھ دیں تو ناواقف سوا اس کے کہ نظیر کو میر کا ہم پلہ شاعر

---

* یہ تحریر ۱۲۶۱ھ اور ۱۲۶۵ھ کے درمیان کی ہی-

سمجھے اور کیا تصور کر سکتا ہے۔“

۱۰۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی کی رائے :-

”آج کل یورپ میں شاعر کے کمال کا اندازہ اِس بات سے کیا جاتا ہے کہ اُس نے اَور شعرا سے کس قدر زیادہ الفاظ خوش سلیقگی اور شایستگی سے استعمال کیے ہیں۔ اگر ہم بھی اسی کو معیارِ کمال قرار دیں تو بھی میر انیس کو اُردو شعرا میں سب سے برتر ماننا پڑے گا۔ اگرچہ نظیر اکبرآبادی نے شاید میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مگر اُس کی زبان کو اہلِ زبان کم مانتے ہیں۔ بخلاف میر انیس کے کہ اُس کے ہر لفظ اور ہر محاورے کے آگے سب کو سر جھکانا پڑتا ہے۔“

۱۱۔ حکیم اصغر حسین فرخ آبادی کی رائے :-

”جس زمانے میں وہ (نظیر) فرخ آباد آئے تھے میرے والد سے اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں صغیر السن تھا۔ میں اُن کی زیارت سے بھی مشرف نہیں ہوا۔ مگر قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت موزوں اور چلبلی رکھتے تھے۔ مضامین اپنی فکر و استعداد کے موافق موزوں کیا کرتے تھے۔ جوانی کی ستایش۔ بڑھاپے کی مذمت خوب لکھتی ہے۔ بلی نامہ۔ چوہے نامہ۔ گلہری نامہ۔ کوڑی نامہ وغیرہ وغیرہ اُنھی کے نتائجِ افکار سے ہے۔ بڑھاپے کے ترجیع بند میں مشہور شعر ہے ؎ سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا + عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا + ہر چند حضرت سلیم چشتی کے عُرس کی تعریف میں ترجیع بند لکھا ہے جس کا بند کا شعر ہے ؎ رشکِ ہے گلشنِ بہشتی کا + عُرس حضرت سلیم چشتی کا + مگر حضرت عباسؓ کے معرکے اور کربلا کے معرکے ایسے موزوں کیے ہیں

۱؎ آبِ حیات ضمن حالات ولی صفحہ ۹۵۔

۲؎ مقدمۂ دیوانِ حالی صفحہ ۱۸۲۔

جن سے مُستفاد ہوتا ہی کہ استعدادِ علمی کامل نہ تھی اور اما یہ طریقہ ہو تو عجب نہیں۔ مگر اُنھوں نے ایک مسدس طرح پل جنم میں کنھیا کے لکھا ہی جس کا شعر یہ ہی سے یوں نیک نچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم + پر اُن کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم + ان کی تعریف میں ایک خمسہ لکھا ہی سے میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شام برن اوتاری کے + سکیشن کنھیا مُرلی دھر من موہن کنج بہاری کے + اور سکیشن کی تعریف اور دُرگا جی کے درشن اور مہادیو جی کا بیاہ وغیرہ بہت کچھ نظم کیا ہی جو آزادی قیدِ مذہب کی خبر دیتا ہی۔"[*]

۱۲- منشی سید احمد دہلوی صاحبِ فرہنگِ آصفیہ کی راے:-

"بعض دہلی کے تذکرہ شعرا جمع کرنے والوں نے صرف اتنا لکھا ہی کہ وہ ایک ملّا مکتبی۔ صحتِ الفاظ سے مُعرّا۔ پُرگو۔ اور عوام النّاس کی بلکہ جہلا کی زبان لکھنے والا تھا۔ لیکن میری راے میں وہ ہندوستان کا شیکسپیر اور فطرتی اور قدرتی مضامین کے بیان میں یدطولیٰ رکھنے والا تھا۔ اُس نے ادنیٰ ادنیٰ اور رکیک رکیک مضمونوں کو اس خوبی سے باندھا اور عمدہ نتیجہ نکالا ہی کہ دوسرا نہیں نکال سکتا۔"

۱۳- مولوی نذیر احمد کی راے:-

میں نے اپنے دوست مولوی بشیر الدین احمد سے پوچھا کہ آپ کے والد نظیر کے کلام کی نسبت کس قسم کی راے رکھتے ہیں تو اُنھوں نے فرمایا کبھی ذکر آیا ہی تو والد نے نظیر کی نسبت عُمدہ خیالات ظاہر کیے ہیں۔

سب سے پہلی راے اُن کی توبۃ النصوح میں درج ہی۔ اُس کتاب میں کلیم کے کتب خانے کے ذیل میں اُنھوں نے نظیر کے کُلیات کا ذکر کیا ہی اور مناسبِ مقام اپنی غرض کے لیے (چھوں کے اچار) کا بڑے موقع سے استعمال فرمایا ہی۔ یہ ٹھیک ہی کہ اس بحث میں نظیر کو کوئی عمدہ جگہ نہیں ملی۔

[*] منتخب از مراسلہ مورخہ ۱۹ جولائی ۱۹۰۸ء۔

لیکن اس میں کچھ نظیر ہی منفرد نہیں - وہاں تو ابن سرگے سے اس سرے تک تمام شعرا کا صفایا بول دیا گیا ہی - اور تو اور اس قتلِ عام میں حضرت سعدی تک نہیں بچے - حال آں کہ جی سعدی کے باب میں کچھ برسوں بعد حضرت نے اپنی موعظۂ حسنہ میں کس قدر بلند رائے ظاہر کی ہی - حقیقت یہ ہی کہ جو رائے توبۃ النصوح میں ظاہر کی گئی ہی وہ اُن کی واقعی رائے نہیں ہی بلکہ ایک رائے ہی جو اُنھوں نے گویا کسی تعلیم کی کتابیں منتخب کرنے والی کمیٹی کی خاطر سے لکھ دی ہی - اصلی رائے اُنکی یہی ہی کہ باعتبارِ شاعری نظیر کو وہ ایک عمدہ شاعر اور مُستند اُوستاد تسلیم کرتے ہیں - کلیم کے کُتب خانے کا حال لکھا ہی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہی کہ وہ اُس کے شوق کے پردے میں خود اپنا مذاقِ شاعرانہ ظاہر کر رہے ہیں - کتاب فروش نظیر کا دیوان جس پر ہدہد کے اشعار بھی چڑھے ہوے ہیں کلیم کے پاس نہیں لاتا بلکہ لاکر خود مولنا نذیر احمد صاحب کے شوق کی لائبرری میں داخل کرتا ہی - جہاں تک میں جانتا ہوں نظیر کا کُلیات ہُدہُد کے اشعار کے ساتھ نہیں چھپا - دہلی کے مشاعروں کی یادداشت نے ہُدہُد کے اشعار یاد دلاے اور راز بس کہ نظیر بھی مذاقِ خوش طبعانہ و شوخ رکھتا ہی تلاحقِ افکار کے طلسم سے دونوں شاعروں کا کلام ایک مجموعے میں چھپ کر جلوہ گر اور پیشِ نظر ہوا - شواہد اس بات کے بکثرت ہیں کہ نظیر کا کلام مدتوں مولنا کے پیشِ نظر رہا ہی اور بہت دور تک اُس نے پسندیدگی کا شرف بھی حاصل کیا ہی کیوں کہ اکثر اشعار اُس کے اُن کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں چنانچہ حال میں قرآن شریف کا جو ترجمہ مولنا نے شائع کیا ہی اُس میں بھی اللہ یستہزئ بہم ویمدہم فی طغیانہم یعمہون کے فائدے کے ضمن میں نظیر کے یہ ضرب المثل اشعار موجود ہیں:

نیکی کا بدلہ نیک ہی بدکر بدی کو سات لے	کانٹے لگا کانٹے تھلیں پھل پات بو پھل پات لے
کل جگ نہیں کر جگ ہی یہ یاں دن کو دی اور رات لے	کیا خوب سودا نقد ہی اس ہات دے اُس ہات لے

اِس سے بڑھ کر ایک شاعر کے لیے اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ اُس کا شعر ترجمۂ قرآن جیسی مقدس چیز میں ایک اہم قاعدہ بلاغت کے اثبات میں نقل ہو۔[۱]

ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں جو تقریر مولانا نے کی اُس میں نظیر کے ایک شعر کو نہایت لطف سے پڑھا اور اُس کی طرف لوگوں کی توجہ کو کسی قدر غیر معمولی طور پر منعطف کیا۔ جس عبارت میں نظیر کا ذکر کیا ہے یہ ہے:۔

"تمھارے آگرے میں ایک صاحب من وجہ بندے کے ہم نام ہو گزرے ہیں۔ نظیرِ اکبرآبادی۔ من وجہ میں نے اِس لیے کہا کہ نظیر اُن کا تخلص تھا۔ اور میرا نام ہے۔ اُن کا تخلص ظ سے تھا۔ میرا نام ذ سے ہے۔ ایک صلاح وہ بھی بتا گئے ہیں۔ نہیں معلوم ہنسی ہے یا واقعی۔ دیکھو شاید وہی مفید ہو۔ اُن کی تو یہ صلاح ہے۔

کونڈی سوٹکے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل ۔۔۔ چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل"

چوں کہ مولانا کا مزاج بالطبع شوخ اور ظریفانہ واقع ہوا ہے یہ امر طبیعی ہے کہ اُن کو نظیر کے کلام سے خاص اُلفت اور اُس کے اشعار کی طرف خاص رغبت ہو۔ مولانا ناولسٹ ہیں۔ ناولسٹ ہر شخص کے اندرونی خیالات کا تماشائی اور خصوصیاتِ اخلاق کا نباض ہوتا ہے۔ نظیر گو ناولسٹ نہیں مگر اُس کی زبان اور اُس کی قوتِ مشاہدہ اور تجربے بہت سے معمولی درجے کے ناولسٹوں کے لیے موجب رشک ہو سکتے ہیں۔ پس اِس اعتبار سے بھی مولانا نذیر احمد اور نظیر باہم مشارکت رکھتے ہیں۔ عجب نہیں کہ مشارکتِ اسمی کے بیان کرتے وقت کسی قدر مولانا کا خیال اس مشارکتِ خیالی کی طرف بھی گیا ہو۔ لیکن کانفرنس میں اُس کے اظہار کا کیا موقع تھا۔

میری رائے نظیر کی نسبت یہ ہے کہ اُردو کا سعدی ہے لیکن وہ نظم میں اور مولانا نذیر احمد نثر میں۔ سعدی نظیر

[۱] ترجمۂ قرآن صفحہ ۵۔

نذیر احمد حسن۔ اتفاق یہ کہ تینوں جس طرح نصائح میں مشارک ہیں اُسی طرح ظرافت میں بھی۔ میرے ایک عزیز نے کہا کہ شاید سعدی کا کوئی بنایا ہوا قلم کہیں پڑا تھا وہ مولوی نذیر احمد کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ پہلے نظیر اکبرآبادی کو ملا اور پھر داناں مولانا کو۔ نظیر نے بوستاں کی خوش بو سے اُردو کے دماغ کو معطر کیا۔ مولانا نے گلستاں کے عمدہ پھولوں کا عطر کھینچ کر ناولوں کے ولایتی شیشوں میں بھرا۔ جب یہاں تک ہم رنگی ہو تو پھر نظیر کی تعریف مولانا کی زبان سے ایک نتیجہ طبعی ہے۔

کوئی صاحب سر ولیم میور بہادر کے زمانے میں اُردو کے شعرا کے کلام سے نصیحت خیز اشعار چھانٹنے لگے سودا۔ میر۔ آتش۔ ناسخ۔ ظفر۔ ذوق۔ درد۔ وغیرہ اساتذہ کے ہاں بھی اس قسم کے اشعار اُن کو بہت کم ہاتھ آئے۔ اخیر ہار کر نظیر ہی کے دفتر پر جھکے۔ غور کر کے دیکھیے تو وہ انتخاب گویا نصف سے زیادہ کلام نظیر سے عبارت ہے۔ نام اس مجموعہ کا اتحاد رکھا ہے (بلبلوں کے نغمے)۔

مولوی علی حیدر نظم فرماتے تھے کہ مولوی سید حسین بلگرامی نے بھی اپنی کتاب مختار اشعار میں نظیر کی بہت سی نظمیں درج کی ہیں۔ مختار اشعار پر کیا موقوف ہے کوئی تعلیمی مجموعہ میری نظر سے ایسا نہ گزرا جس میں نظیر کے اشعار بکثرت نہ ہوں۔

مولوی بشیر الدین احمد نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا تھا کہ جتنی کتابیں سر ولیم میور بہادر کے زمانے میں تصنیف ہوئیں کُل والد کے ہاں رائے کو آتی تھیں اور ہر ایک کتاب پر والد نے ایک مختصر رائے لیکن برجستہ اور مناسب حال رائے ظاہر کی تھی۔ یقین ہے اُن کتابوں کے جنگل میں یہ (بلبلوں کے نغمے) بھی ہوں گے اور رہوں گے تو مولانا نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ اُردو کے نصائح آمیز کلام میں نظیر کے بے نظیر کلام کا کیا پایہ ہے۔

۱۴- مولوی سید محمود آزاد کی رائے:-

"ایک بزرگ حکیم نبی بخش میر غلام پیر مرحوم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ نظیر کا کلام اُن کی زبان پہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ بات بات پر اُس کی تعریف کرتے اور کہتے مجھے تو اُس کے سوا کسی کے کلام میں مزہ ہی نہیں آتا میں تو جب دیکھتا ہوں کسی کا کلام دیکھتا ہوں۔ میں ان کی باتیں سنتا اور ہنستا کہ مردِ خدا کس قدر بد مذاق ہے۔ اُن دنوں ناسخ کے کلام کا مزہ دل میں سمایا ہوا تھا۔ نظیر نگاہ میں جچتا ہی نہ تھا۔ دل میں کہتا حکیم صاحب کو چونکہ استعداد نہیں ہے اس لیے ایک بد استعداد شاعر کی اس قدر تعریفیں کرتے ہیں۔ لیکن اب حکیم نبی بخش کی باتیں یاد آتی ہیں۔ واقع میں اُن کی رائے مذاقِ سلیم کا نتیجہ تھی نہ نتیجہ بد استعدادی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو میرے خیال میں نظیر کسی طرح میر وغیرہ اساتذہ قدیم سے کم نہیں۔ کلیاتِ نظیر میں نے حکیم صاحب ہی کے تقاضوں سے منگوایا تھا"

۱۵- مولوی شبلی نعمانی کی رائے:-

جن دنوں شبلی نعمانی حیدرآباد میں وارد تھے عزیز میرزا اُن کی ملاقات کو گئے۔ عزیز میرزا ہی کی فرمائش سے میں نے نظیر کی سوانح عمری کے مسودات وطن سے منگوائے تھے اور انھی کے تقاضوں سے درپئے تکمیل تھا۔ تازہ مضمون تھا۔ اُنھوں نے اثنائے گفتگو میں اسی کا ذکر چھیڑا۔ اس طرح کہ ہنس کر اُن سے فرمائش کی کہ مضایقہ نہ ہو تو نظیر کی سوانح عمری بھی لکھیے۔ شاعر تو اچھا تھا۔ شبلی اس فرمائش سے سخت متحیر ہوئے اور استعجاب کے ساتھ کہا نظیر کی اور سوانح عمری۔ اس کے بعد جب مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے عزیز میرزا کی فرمائش اور اُن کے استعجاب کی طرف ایک خفیف شکایت آمیز اشارہ کیا۔ تو شبلی نے کہا نہیں میرا استعجاب اَور خیال سے تھا۔ جب معلوم ہوا کہ آپ اس کے حالات لکھ رہے ہیں سمجھ گیا کہ آپ کی نظر کن باتوں پہ ہے۔ پھر لکھا

کہ سید احمد خاں کے ہم عُمروں اور مُعاصرین میں ڈپٹی تراب علی ایک بزرگ آگرے کے ہیں۔ نظیر کے حالات اُن سے سُنے تو بہت ہیں مگر چوں کہ ادھر خیال نہ تھا اِس سے تفصیل کے ساتھ یاد نہیں۔ اگر آپ کچھ سُوالات لکھ کر دیں تو ممکن ہی کہ اُن سے پوچھ کر جتنے حالات اُن کو معلوم ہیں لکھ بھیجوں۔ ہر چند شبلی نے خود تو حالات لکھ کر نہیں بھیجے مگر دیوانہ راہوے بس ست۔ میں ڈپٹی تراب علی کے سر ہو گیا۔ اور جس طرح بن پڑا اُن سے حالات منگوا کر رہا۔ اِس معاملہ میں میر اکبر حسین سب جج آگرہ اور میرزا محمد علی بیگ وکیل خاص شکریے کے مستحق ہیں۔

۱۶۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی کی رائے:۔

ان سے سوانح عُمری نظیر کا ذکر آیا تو یہ متعجب نہیں ہوئے بلکہ بہ کُشادہ پیشانی تمام اُس کے شاعرانہ کمالات اور خوبیِ کلام کا اقرار کیا بلکہ اُس کو ریلسٹک پوئٹ کا خطاب دیا اور اِس امر کے ثبوت میں کہ وہ اُس کے کلام کو کسی زمانے میں دل سے پسند کرتے تھے فی الوقت نظیر کے یہ اشعار پڑھنے لگے:۔

تنِ مُردہ کو کیا تکلف سے رکھنا	گیا وہ تو جس سے مزین یہ تن تھا
کئی بار ہم نے یہ دیکھا کہ جن کا	مشین بدن تھا معطر کفن تھا
جو قبر کہن اُن کی اُکھڑی تو دیکھا	نہ عضوِ بدن تھا نہ تارِ کفن تھا
نظیر آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی	جو دیکھا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

پھر بعض فرنچ تصنیفات کا حوالہ دیا اور کہا میں آپ کے لیے نظیر کے حالات ڈھونڈھ کر اُن میں سے نکالوں گا۔ ڈھونڈا تو اُنھوں نے سہی مگر بدقسمتی سے وہ جلدیں کُتب خانے سے غائب تھیں جن میں نظیر کے حالات مندرج تھے۔ مولوی سید علی بلگرامی نے نظیر کے حالات سُننے کو ایک روز خاص کر مجھ کو بلوایا پھر جو کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے تو آدھی رات تک برابر سُنتے ہی رہے۔ اِس صحبت میں میرزا حیرت بھی شریک تھے۔ جنھوں نے نظیر کے

لیے ایک نیا خطاب مرہٹی گو کا تجویز کیا۔ افسوس اِس خطاب پر وجد کرنے والا اُس وقت وہاں کوئی موجود نہ تھا مولوی سید علی نے اُسی صحبت میں وعدہ فرمایا تھا کہ سوانح عمری کو سلسلۂ آصفیہ میں لے لونگا مگر سلسلۂ خدمت کے متزلزل ہو جانے سے چوں کہ پوری سلسلہ جنبانی نہ ہو سکی لہٰذا وہ وعدہ وعدہ ہی رہا۔ وفا نہ ہوا۔

۱۷۔ ڈاکٹر فیلن کی رائے:۔

"تحریری علم ادب میں سب سے زیادہ نظیر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے صرف یہی ایک شاعر ہے جس کی شاعری اہل فرنگ کے نصاب کے مطابق سچی شاعری ہے مگر ہندوستان کی لفظ پرستی اُس کو سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتی۔ صرف نظیر ہی ایسا شاعر ہے جس کے اشعار نے عام لوگوں کے دلوں میں راہ کی ہے اُس کے اشعار ہر سڑک اور گلی میں پڑھے اور گائے جاتے ہیں خصوصاً اُس کے خاص شہر آگرہ میں اور واعظین (یا پادری) جو کہ اُس کی نظموں سے بہت اچھی طرح آشنا ہیں اُس کے اور کبیر کے اقوال کا شارعِ عام پر وعظ کہتے وقت نہایت نمایاں تاثیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ نظیر میں تمام وہ صفتیں دل اور دماغ کی جمع تھیں جو فطری ذکاوت کو امتیاز بخشتی ہیں۔ اُس کی نظمیں آپ اُس کی سوانح عمری ہیں کیوں کہ قالبِ نظم میں یہ شخص اپنی تمام ذاتی خصوصیتوں کے ساتھ جیتا جاگتا نظر آتا ہے۔ اَور سامان نہ سہی۔ فقط اُنھی نظموں سے اُس کی تصویر کے بعض خط و خال نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ وہ حقیقت میں آزاد بینوا تھا اور یہی وہ اپنے تئیں بتاتا بھی تھا۔ وہ اصل میں دُنیا سے بے تعلق صوفی تھا جس کا اَوروں کو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ وہ تقدیر کی نہ مُوافقت کی پروا کرتا تھا نہ مخالفت کی۔ وہ کچھ چاہتا ہی نہ تھا۔ وہ نہ کسی مرد کی پروا کرتا تھا نہ کسی عورت کی۔ عورتوں سے اگر مطلب تھا تو صرف اتنا کہ دور سے اُن کے حُسنِ صورت پر غش ہولے۔ نہ اقبال سے وہ پھولتا تھا نہ ادبار سے ملول ہوتا تھا۔ جیسا کہ اُس نے خود کہا ہے "وہ اپنی کھال میں مست" تھا۔ اُس نے کبھی اپنی کسی تحریر کے حفاظت سے رکھنے کا خیال نہ کیا۔ اُس کی نسبت

لوگ روایت کرتے ہیں کہ اُس کا معمول یہ ... لکھی اور لکھ کر پھینک دی - شاگرد یا دوست جن کے لیے وہ نظم لکھی اُٹھا کر لے گئے - نہایت وسیع معنوں میں وہ اعلیٰ درجے کا آزاد، اعلیٰ درجے کا موجد، اعلیٰ درجے کا حکیم، اور اعلیٰ درجے کا جگت دوست تھا - اُس کی ذکاوت کی رنگارنگی اُن مضامین رنگارنگ سے ظاہر ہوتی ہے جن پر اُس نے طبع آزمائی کی ہے - جس قسم کے شاعرانہ خیالات اُس نے اُن معمولی چیزوں سے پیدا کیے ہیں جن پر اَور ہندوستانی شاعروں نے لکھنا یا تو کسرِ شان سمجھا یا اُن کو لکھنے کی قابلیت ہی نہ تھی اُنھی کو ہندوستانی مُحقّقین ناواقفیت سے اِس بات کا نہایت یقینی ثبوت خیال کرتے ہیں کہ وہ کوئی شاعر نہ تھا - یہ حضرات فرماتے ہیں کہ "اُس نے اِس قسم کی مبتذل چیزوں پر لکھا ہے - آٹا - دال - لکھی - مچھر" اُس کی طبیعت کی رنگارنگی اور اُس کی تخیّل کی قوت علاوہ بریں اِس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے ایک ہی چیز کی مختلف نظموں میں مختلف پہلو سے مختلف تصویریں کھائی ہیں - اُس کا دیوان خاصا تصویروں کا ایوان ہے جس میں ہندوستان کے رہنے والوں کے کھیل تماشے - عیش - تفریح - رنج - غم - دل دماغ سب کی بولتی چالتی تصویریں نظر آسکتی ہیں -

"نظیر طبیعت (فطرت) اور ہر قسم کی انسانیت کے ساتھ ایک گہری ہمدردی رکھتا تھا وہ ہر چیز میں خوبی پاتا تھا - وہ خوش ہے جب گروہ کا گروہ خوش ہے وہ اُن کے کھیل تماشوں سے مزہ لیتا ہے - وہ اُن کی مصیبتوں سے دُکھ پاتا ہے صرف یہی ایک شاعر ہے جس نے لڑکوں کے پیار اور محبت کو لکھا ہے اور صرف یہی ایک شاعر ہے جس کو غریبوں مفلسوں بے کسوں مُصیبت زدوں اور بے کس بے بس خدا کی مخلوق کے ساتھ جوش ہمدردی ہے جیسا کہ اُس نے اِس مضمون کو نہایت عمدہ طور سے اپنی اُس عُمدہ نظم کے مقطع میں ظاہر کیا ہے جو اُس نے آدمی نامے کے نام سے انسان پر لکھی ہے:-

اچھے بھی آدمی ہی کہاتے ہیں، اے نظیر	اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پاک عشق کی تصویر جو اُس نے کھینچی ہی- وہ اُسی کا [illegible] اور اسی لیے اُس نے کھینچی بھی خاصی ہی-
اُس کے کلام کا سب سے عمدہ حصہ کسی مطبوع مجموعے میں نہیں ہی جو اُس کے نام سے چھپا ہی- اُس کا اس قسم کا
کلام صرف رمتے ہوے فقیروں (آزادوں) اور ناخواندہ اشخاص کی زبانی سُنا جاتا ہی جو کہ اپنے سینوں میں
اُس انسانی فطرت کا کچھ بہتر احساس رکھتے ہیں جس کے نقش و نگار نظیر نے اس خوبی سے دکھائے ہیں- یہ ناخواندہ
اشخاص اپنی پسند کی نظمیں زبانی رکھتے ہیں بخلاف اس کے پڑھے لکھے حضرات اپنی پسند کے شعرا کا کلام زبانی
نہیں رکھتے- اور ان کی ایک بہت بڑی جماعت ان مقبول نظموں کو رغبت سے سُنتی اور متلذذ ہوتی ہی اور اس لذت
اُٹھانے میں اپنا وقت کہیں زیادہ صرف کرتی ہی بہ نسبت اِس کے کہ پڑھے لکھے اشخاص کہیں کہیں اپنے اُن
غیر اصلی اور لفاظ شعرا پر صرف کرتے ہوں جن کے مداح ہونے کا دم بھرتے ہیں- اور پھر ناخواندہ اشخاص کی
خوشی زیادہ گہری بھی ہی اس لیے کہ اُن کا سلیقۂ فطری زیادہ سچا ہی اور اُن کی رغبت کی شی زیادہ قابل مدحت-
"اُس کے دل و دماغ کی صفائی اور اُس کی تحریر کی لطافت اس درجے کی ہی کہ جب وہ کوئی فحش خیال
بھی پیدا کرتا ہی (جب کہ یہ بات اُس تصویر کی صحت خط و خال اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتی ہی) تو فحش پر اس
لطافت کے ساتھ پردہ ڈال دیتا ہی کہ وہ ہمیشہ خود ہندوستانیوں کو بھی صاف نظر نہیں آتا جو اِس کثرت کے
ساتھ ذو معنی الفاظ اور ضلع جگت کا استعمال کرتے ہیں- جب کہ [illegible] سی پاک جذبۂ دل کی اعلیٰ خوبیاں تعرف الاشیاء
بالاضداد کے اُصول پہ بیان کرنے کو ہوتا ہی تو شہوانی خیال کو [illegible] غ میں دیر تک رہنے اور اُس پاکیزہ
خیال کے محو کرنے کی اجازت نہیں ہوتی جس کو نظیر بار بار پڑھنے والے کے پیش نظر رکھتا ہی-
"بعض مضامین شدت سے فحش ہیں مگر شوخی جو سچی اور جان دار نقاشی کے لیے ایک جزو ضروری ہی اس
طرح اُس کے کلام میں ملی ہوئی ہوتی ہی کہ فحش بالکل نظر نہیں آتا- سر سے پا تک ظرافت اور لطافت چھائی ہی-

اور بڑی دل موہ رہی ہی۔

"نظیر نے مادری زبان کے خزانوں پر اپنا سکہ بٹھا دیا ہی۔ اُس نے اِس خصوص میں وہ کام کیا ہی جو صرف سلاطین (اقلیم سخن) مثلاً چوسر و شیکسپیر کر سکے ہیں۔ اُس نے ہندی الفاظ کو تمام اُن خوش نما ترکیبوں میں ظاہر کیا ہی جن میں وہ ظاہر ہو سکتے تھے اور اپنی ذات پر جو ان مردانہ اعتماد کرکے جو ذکاوت کا خاصّہ ہی اُس نے لفظوں کے نئی ترکیبوں اور نئے معنوں میں استعمال کرنے کی جرأت کی ہی اور یہ ترکیبیں اور معنی ہمیشہ خوش آیند ہیں۔

"جو کچھ نظیر نے لکھا ہی اُس میں مشکل سے کوئی معمولی مصرعہ ہوگا! اور جو کچھ اُس نے لکھا ہی اُس کا ایک بہت بڑا حصّہ بجائے خود ایک مشاہدہ ہی۔ اُس کے خیال کی گہرائی اور اُس کی اُن نادر ترکیبوں کی قوّت جن میں کہ ہر لفظ اظہارِ معنی میں دوسرے کا معاون ہی جس قدر غور کیجیے اُسی قدر ظاہر ہوتی ہی۔ علم والے ہندوستانی اُدبا جن کی کوشش صرف الفاظ کے پیچھے صرف ہی وہ رسائیِ خیالات میں اس قدر کوتاہ ہیں کہ اکثر نظیر کی وسعت و خوبیِ معنی کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے ہیں اور وہ اُس کی ترکیبوں کی خصوصیتِ مناسبت کو بھی نہیں سمجھتے جو وہ ترکیبیں اُن تمام معانی کے ساتھ رکھتی ہیں جو اُن سے نکلتے ہیں۔ اور یہی وہ شاعر ہی جس سے قریب قریب تمام یورپین ناظرین بالکل ناواقف ہیں اس لیے کہ ہندوستانی اُدبا و شعرا اُس کا نام لینا بھی کبھی پسند نہیں کرتے۔

"علم والا گروہ جو کہ نظیر کی قدردانی کی صلاحیت نہیں رکھتا اُس کی پرستش کی چیز ناسخ ہی۔ ناسخ جس کی تشبیہیں نہایت صناعی کے ساتھ مختلف اور صداقت سے بہت زیادہ دور ہیں اور جس کی زبان عربی اور فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کا ایک خاصا میلا ہی جس میں کسی معمولی ہندی لفظ یا حرف کو صرف اُسی صورت میں شریک کیا گیا ہی جب کہ اُس کی شرکت سے گزیر نہیں رہا۔"*

* ماخوذ از دیباچہ لغات ہندوستانی و انگریزی مصنفہ ڈاکٹر فیلن صفحہ ۸ تا ۱۰۔